ماترہ ملک

روٹھنا نہیں اچھا

زنیرہ سبحان سے زنیرہ باسط بن کر دہلیز پار کرتے ہوئے ایک الوداعی نظر گھر کے در و دیوار پر ڈالی جو خاموشی سے اس کی رخصتی کے عمل کو دیکھ رہے تھے۔ سب گھر والے اداس و دل گرفتہ اس کے پیچھے چلے آ رہے تھے۔ نوین بھابھی بڑی مشکل سے اماں کے بھاری بھر کم نڈھال وجود کو سنبھالے ہوئے تھیں۔ ابا، بڑے بھیا اور لقمان، باسط رضا کے ساتھ چل رہے تھے۔ سب سے چھوٹی حنا نے ایک دم آگے

ناولٹ

بڑھ کر دروازے سے باہر قدم رکھتی زنیرہ کا ہاتھ پکڑا۔

"زنیرہ باجی!"

پتھر میں جیسے جونک لگی اور اس کا وجود ڈگمگا گیا۔ ضبط جواب دینے لگا۔ عمیرہ باجی کی شادی کے بعد حنا اکثر اس کی شادی کے منصوبے بناتی رہتی تھی۔

"عمیرہ باجی کی شادی کے وقت تو میرے پیپرز ہو رہے تھے۔ میں کچھ کر ہی نہیں سکی، لیکن زنیرہ باجی کی شادی پر میں خوب رونق لگاؤں گی۔ اپنی ساری سہیلیوں کو بلاؤں گی اور ایک مہینہ پہلے ڈھولک رکھوں گی۔"

"لڑکیوں کی شادی پر اتنی جلدی ڈھولک نہیں رکھتے۔" اماں ٹوکتیں۔

"کیوں لڑکیوں کی شادی کی خوشی نہیں ہوتی کیا؟ میں تو رکھوں گی۔"

"کیا حنا کیا حنا کا شوربہ۔" لقمان مداخلت کرتا۔

"زنیرہ باجی کو میں خود دلہن بناؤں گی۔" وہ اس کی مداخلت کو نظر انداز کر دیتی۔

"تاکہ دولہے کا پورا خاندان ہسپتال پہنچا ہو۔" وہ بھلا کیوں پیچھے رہتا۔

"تم تو ہو ہی جل ککڑے۔ ہونہہ!" حنا رخ پھیر لیتی۔

"میری طرف سے بھی ہونہہ! جل ککڑی۔" لقمان جواباً نقل اتارتا۔

اور آج جب وہ دلہن بنی تھی تو نہ ڈھولک رکھی گئی تھی۔ نہ ہاتھوں میں مہندی کے پھول کھلے تھے اور نہ شہنائی بجی تھی۔ جب دل کا چمن ہی اجڑ گیا تو کیا مہندی اور کیا سولہ سنگھار۔

شادی کا سوٹ بھی اس نے بہت سادہ سا پہنا تھا' جیسے بندہ کہیں آتے جاتے چھوٹی موٹی تقریب میں پہن لیتا ہے۔

زنیو نے آہستگی سے اپنا یخ ہاتھ حنا کے ہاتھوں سے چھڑایا۔

"زنیو باجی!" حنا روتے ہوئے لپٹ گئی' اماں کی سسکیاں زور پکڑنے لگیں۔ دل چاہا حنا کو گلے لگا کر ڈھیر سارا پیار کرے خوب روئے۔ پتھرائی ہوئی آنکھوں میں پانی کی بوند چمکی۔ اس نے آنکھیں جھپک کر حنا کو خود سے علیحدہ کیا۔ ایسی رخصتی کا بھلا اس نے کب سوچا تھا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے جنازے کا سیکنڈ پارٹ چل رہا ہو۔

گردن کو ہلکا سا خم دے کر کن اکھیوں سے اماں کو دیکھا۔

"مان لیں اماں! اس گھر میں رونق میری وجہ سے ہے۔"

"ہاں تیرے بغیر تو جیسے اس گھر میں الو روتے ہیں۔"

اماں جو اس کی کسی حرکت پر پہلے ہی جلی بیٹھی ہوتیں چمک کر کہتیں اور وہ محظوظ ہو کر چھت پھاڑ قہقہہ لگاتی۔

"اماں! اب سب کو ایسے تو نہ کہیں۔ آخر وہ بھی آپ کی اولاد ہیں۔"

ارے کم بخت چھت پھاڑے گی۔ لڑکیوں کو ایسے ہنسنا زیب دیتا ہے کیا؟" بے اختیار ایک اور قہقہہ اس کے حلق سے آزاد ہوتا۔

"پھر کیسا ہنسنا زیب دیتا ہے؟ آپ ہنس کے دکھائیں نا۔"

اور اماں اس کی ڈھٹائی کا توڑ کرنے کے لیے جوتے کو کروز میزائل کی طرح داغتیں مگر وہ بھی ایکسپرٹ ہو گئی تھی۔ اماں کا ہاتھ جوتے کی طرف بڑھتے دیکھ کر چھلانگ مار کر چھلاوے کی طرح غائب ہو جاتی۔

دہلیز سے باہر قدم رکھتے ہی سوچ کا سلسلہ ٹوٹا اور ساتھ ہی اس گھر سے ہر رشتہ بھی ٹوٹ گیا۔ دل میں ایک بار پھر کبھی نہ آنے کا عہد تازہ کیا اور اس سے پہلے کہ باسط یا کوئی اور اس کے لیے گاڑی کا دروازہ کھولتا۔ وہ جلدی سے آگے بڑھ کر خود دروازہ کھول کر بیٹھ گئی۔

باسط نے ایک حیران نظر اس پر ڈالی پھر اس کے گھر والوں اور اپنے ساتھ آنے والے دوست احباب سے مل کر گاڑی میں آ بیٹھا۔ گاڑی اسٹارٹ کرنے کے آگے بڑھانے سے پہلے سب کو ہاتھ ہلا کر الوداع کہا۔ مگر وہ جس نے اس گھر میں بیس برس گزارے تھے اور جس کا اس گھر کے ہر فرد سے نہ ختم ہونے والا خون کا رشتہ تھا۔ بے حسی سے ونڈ اسکرین کے پار دیکھتی رہی۔

باسط کے لیے اس کا یہ طرز عمل حیران کن تھا۔ لیکن یہ وقت کچھ پوچھنے کا نہیں تھا۔ زنیو ہمیشہ سے کتنی مختلف لگ رہی تھی۔ بہت بڑی بڑی' میچور اور ناراض سی۔ کہیں کچھ تھا جو اس کے علم میں نہیں تھا۔ چہرہ میک اپ اور جذبات سے یکسر عاری تھا۔ لباس بھی ایسا تھا جیسے کسی کالج فنکشن یا فرینڈز کی برتھ ڈے پارٹی میں پہنا جاتا ہے۔ تب باسط کو یاد آیا شادی کے بعد جب وہ عمیرہ کے ساتھ پہلی بار ان کے گھر آیا تھا تو زنیو نے یہی لباس پہن رکھا تھا۔ ہلکے پھلکے طریقے سے تیار' سلکی باب کٹ بالوں کو گردن کے ہلکے سے جھٹکے سے دائیں سے بائیں اور بائیں سے دائیں لہراتی وہ نٹ کھٹ سی لڑکی اسے سالی کے روپ میں خاصی پسند آئی تھی۔ افراد خانہ میں سے سب سے پہلے آگے بڑھ کر اسی نے استقبال کیا تھا۔ دودھ پلائی کی رسم میں بھی اس کی باسط کے کزنز کے ساتھ خوب لڑائی ہوئی تھی جب زنیو نے دودھ اسے پیش کیا تو اس کے کزنز تبریز نے پکڑنے کی کوشش کی۔

"ارے آپ کہاں سے ٹپک پڑے ہیں؟"

"آسمان سے۔" تبریز کے جواب پر اس کے دوسرے کزنز ہنسے۔

"تو کھجور میں اٹکیے۔ یہاں کیا کر رہے ہیں۔" زنیو کے چچا کی بیٹی فزا نے برجستہ کہا۔

دلہن پارٹی کے قہقہہ لگانے پر وہ ہلکا سا خفیف ہوا۔ لیکن ڈھٹائی کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا۔

"دل ڈھونڈنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ ابھی تو یہیں کہیں تھا۔" اس نے باری باری سب لڑکیوں کے

چہرے پر نظر ڈالی۔

"آپ کو دل نہیں عقل ڈھونڈنے کی ضرورت ہے۔" زنیو کی کزن صدف نے مشورہ دیا۔

"جی ہاں!" زنیو نے ہنسی روکے مصنوعی سنجیدگی سے کہا۔ "دل تو اگر کہیں چلا بھی گیا تو لوگ معذرت کے ساتھ واپس کر جائیں گے۔"

دلہن پارٹی نے زبردست قہقہہ لگایا۔

"آپ نے تو ابھی تک معذرت نہیں کی۔" دولہا پارٹی میں سے ایک اور لڑکے نے حصہ لیا۔ "ہمارے جیسے دل تو آپ کو چراغ لے کر ڈھونڈنے سے نہیں ملیں گے۔"

"دل نہ ہوا گمشدہ بھینس ہو گئی۔" زنیو نے جل کر کہا۔ "بائی داوے عقل بڑی کہ بھینس۔"

"عقل تو ان کے پاس ہے نہیں اور بھینس ان کی ویسے ہی گمشدہ رہتی ہے۔ یہ فزا نے اس کی بات پر برجستگی سے کہا۔

"بھینس مؤنث ہے۔" دولہا پارٹی نے بدلہ لینے کی کوشش کی۔

"اور گدھا مذکر ہے۔" دلہن والوں کے اس جواب سے دولہا والوں کی خواتین میں خاصی بدمزگی پھیلی۔

"پہلے ہم دودھ ٹیسٹ کریں گے پھر دولہا پیے گا۔"

"کیوں کس خوشی میں؟" زنیو نے ناک چڑھائی۔

"کیا پتا آپ لوگوں نے کچھ ملا دیا ہو نمک یا۔۔۔"

"یا جمال گوٹا۔" ساتھ والے نے لقمہ دیا۔

"معاف کیجیے گا۔ یہ آپ کی خاندانی روایات ہوں گی ہمارے ہاں ایسی چھچھوری حرکتیں نہیں کی جاتیں۔" فزا کو ان کا کہنا سخت برا لگا۔

باسط نے بات کو سنجیدہ رخ اختیار کرتے دیکھ کر ہاتھ بڑھا کر دودھ کا گلاس پکڑ لیا۔ دودھ ابھی ختم نہ ہوا تھا کہ دولہا پارٹی کے چوکس ہونے کے باوجود لڑکیوں نے بڑی مہارت سے جوتا اتار لیا۔

"مسجد سے جوتے چرانے والوں سے تعلق لگتا ہے۔" لڑکوں نے پھلجڑی چھوڑی۔

"کیوں آپ یہ کام چھوڑ چکے ہیں؟" صدف نے پوچھا۔

"نہیں بھئی۔ یہ تو مسجد جاتے ہی اسی مقصد کے لیے ہیں۔" فزا بھلا کیوں پیچھے رہتی۔

"دولہا والوں کے جوتے دیکھو۔ سب چوری کے ہیں۔" دلہن پارٹی نے بہانگ دہل اعلان کیا۔

"اچھا دودھ پلائی کے پیسے نکالیں۔ پچیس ہزار۔" زنیو نے ہتھیلی آگے کی۔

"اتنا مہنگا دودھ۔" دولہا پارٹی نے احتجاج کیا۔

"جی دودھ پلائی پلس جوتا چھپائی۔"

"پلس کھال اتروائی۔" تبریز نے ٹکڑا لگایا۔

"آپ کی کھال خاصی موٹی لگ رہی ہے۔ لگتا ہے اتارنا ہی پڑے گی۔" فزا لحاظ رکھنے کی قائل نہ تھی۔

"جی ضرور۔ بندہ حاضر ہے۔ وقت اور جگہ کا تعین فرما دیجیے۔" وہ بھی بہت ڈھیٹ تھا۔

"آپ ہیں کیا چیز؟" فزا تپ گئی۔

"یہ سیکریٹ ہے۔ ملنے پر بتاؤں گا۔"

باسط کو تبریز کا اس حد تک بڑھ جانا خاصہ ناگوار گزرا۔ مگر وہ اسے منع کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھا۔ لہٰذا خاموشی سے پچیس ہزار روپے نکال کر زنیو کو پکڑا دیے۔

سنی کے رونے کی آواز پر باسط کی سوچ کا سلسلہ ٹوٹا۔ زنیو نے بھی چونک کر باسط کی طرف دیکھا۔ چہرے پر گاڑی روکنے کی تحریر واضح تھی۔ اس نے خاموشی سے گاڑی روک دی یوں بھی سنی کے پچھلی سیٹ پر سونے کی وجہ سے وہ گاڑی بہت مناسب رفتار سے چلا رہا تھا۔

زنیو گاڑی کا دروازہ کھول کر پچھلی سیٹ پر جا بیٹھی اور سنی کو گود میں اٹھا لیا۔ اس ننھے سے وجود میں جانے کیا جادو تھا کہ زنیو کے تنے ہوئے اعصاب ڈھیلے پڑنے لگے۔ سنی کو سینے سے لگا کر تھپکتے ہوئے اسے خود بھی تحفظ کا احساس ہوا۔ ایک ایسی اپنائیت جو پہلے کبھی محسوس نہ ہوئی تھی۔ اماں کی دہلیز پار کرنے کے بعد سے اب تک جو تنہا اور بے سہارا ہو جانے کا احساس ہو رہا تھا وہ ایک دم ختم ہو گیا۔ بے حسی کی برف پگھلنے لگی۔ باسط نے بیک مرر سے دیکھا جوں

جوں بے حسی کی برف پگھل رہی تھی۔ چہرے پر دکھ کے سائے گہرے ہو رہے تھے۔ آنکھوں میں گلابی پن آنا شروع ہو گیا تھا۔ جو شاید آنسو ضبط کرنے کی کوششوں کا نتیجہ تھا۔

باسط کا دل چاہا' وہ اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے حوصلہ دے اور اس رشتے سے ہٹ کر اپنی دوستی اور خلوص کا یقین دلائے اسے بتائے کہ وہ اس کا ہمدم' دوست اور غمگسار ہے۔ وہ اسے اپنے دکھ سکھ' خوشی و غم اور اچھے برے سب میں برابر کا شریک سمجھے۔

زیادہ عرصہ کی بات نہیں تھی' صرف ڈیڑھ برس ہی تو گزرا تھا۔ کچھ ایسی ہی کیفیات اور سوچیں تھیں' جب وہ عمیرہ کو دلہن بنا کے لے جا رہا تھا۔ اپنے پہلو میں من چاہے ہم سفر کا احساس اس پر نشہ طاری کیے ہوئے تھا۔ تب اس نے خود سے عہد کیا تھا کہ وہ عمیرہ کو زندگی کی ہر خوشی' ہر آسائش دے گا۔ اتنی محبت کرے گا کہ وہ خود تو خود لوگ بھی اس پر رشک کریں گے اور اس نے عملاً "ایسا کر کے بھی دکھایا تھا۔ مگر افسوس تقدیر نے اسے خود پر ناز کرنے کا زیادہ موقع نہ دیا عمیرہ بہت کم زندگی لکھوا کے لائی تھی۔ باسط کا تو ابھی خمار ہی نہ اترا تھا کہ وہ اسے سنی کے روپ میں اپنی نشانی دے کر چپکے سے چلی گئی تھی' ہمیشہ ہمیشہ کے لیے۔

ٹھیک ہی تو کہتے ہیں۔ مرد ذات کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا۔ خدا کی یہ مخلوق بہت خود غرض ہوتی ہے۔ اپنی آسانیوں اور آسائشوں کو ضرورت کا نام دے کر خود ساختہ اصول بنانے میں اس کا جواب نہیں۔ کل جب وہ عمیرہ کو دلہن بنا کے لایا تھا تو اس کے ساتھ زندگی بھر وفادار رہنے اور آخری سانس تک ساتھ نبھانے کا وعدہ کرنے والے کی زندگی میں صرف ڈیڑھ سال بعد ہی دوسری لڑکی داخل ہو گئی تھی۔ جبکہ عمیرہ کو دنیا سے گئے صرف تین ماہ اور چند دن ہوئے تھے۔

لیکن ایسا کرنا اس کی مجبوری تھا۔ سنی ابھی بہت چھوٹا تھا۔ اسے ماں کی ضرورت تھی اور ماں کے روپ میں عمیرہ کا نعم البدل زنیرہ سے بڑھ کر کوئی نہیں ہو سکتا تھا۔ اگر یہ عمیرہ سے بے وفائی تھی تو وہ اس پر شرمندہ تھا۔ مگر سنی کے جیتے جاگتے ننھے وجود نے اسے خود غرض بنا دیا تھا۔ یہ نہیں کہ وہ عمیرہ کو بھول گیا تھا یا وہ مر کر اس کی زندگی' اس کے دل و دماغ سے نکل گئی تھی۔ بلکہ وہ تو ابھی بھی اس کی موت پر بے یقین ہونے لگتا تھا وہ یاد بن کر اس کی رگوں میں لہو کی طرح بہہ رہی تھی لیکن زنیرہ کی حق تلفی کرنے کا بھی اس کا چنداں ارادہ نہیں تھا۔

♥ ♡ ♡ ♥

انہیں لاہور سے روانہ ہوئے پانچ گھنٹے ہو چکے تھے۔ اسلام آباد کا علاقہ شروع ہو چکا تھا۔ زنیرہ نے ایک نظر گود میں سوئے سنی کو دیکھا پھر باہر دیکھنے لگی۔ سڑک کے کنارے لگی ٹیوب لائٹس ایک مخصوص فاصلے تک روشنی کر رہی تھیں۔ سڑک سے پرے اندھیرے اور ویرانی کا راج تھا بالکل اس کے دل کی طرح۔ زنیرہ نے گاڑی میں فکس گھڑی پر نظر ڈالی جو دس بجے کا وقت بتا رہی تھی۔ یعنی سفر ختم ہونے والا تھا۔ دل کو جیسے کسی نے مٹھی میں لے کر دبایا۔

"کاش یہ سفر کبھی ختم نہ ہو یا اتنا لمبا ہو جائے کہ ساری زندگی گزر جائے ورنہ کم از کم یہ رات تو ضرور ختم ہو جائے۔" اس نے ڈوبتے دل سے سوچا۔

وہ آج کی رات اس گھر میں قدم نہیں رکھنا چاہتی تھی۔ لیکن اگر یوں دعائیں پوری ہونے لگتیں تو آج وہ عمیرہ آپی کی جگہ پر نہ بیٹھی ہوتی۔ جوں جوں گاڑی فاصلہ طے کر رہی تھی زنیرہ کا دل فرار کے راستے سوچ رہا تھا۔ ایک بار دل چاہا گاڑی کا دروازہ کھول کر باہر چھلانگ لگا دے اور اس تاریک کا حصہ بن کر ہمیشہ کے لیے باسط کی زندگی سے نکل جائے۔ بھلا اس نے ایسا کب سوچا تھا۔

✈ ✈ ✈ ✈

باسط کے ہارن بجانے پر گل محمد (چوکیدار) نے مستعدی سے گیٹ کھول کر سلام کیا۔ وہ گل محمد کو فون پر اپنے آنے کی اطلاع دے چکا تھا۔ اور یہ بھی بتا چکا تھا کہ وہ بی بی (عمیرہ) کی چھوٹی بہن سے نکاح کر کے اپنے ساتھ لا رہا ہے۔ وہ گھر اچھی طرح صاف کروا کے خانساماں سے کھانا تیار کروا دے۔ رات کا کھانا وہ اپنے

گھر میں کھائے گا۔

گل محمد کی بیوی اور بیٹی نے گھر کی اندرونی ذمہ داریاں سنبھال رکھی تھیں ان کی آمد پر وہ اپنے کوارٹر سے نکل کر برآمدے میں آن کھڑی ہوئیں۔ زنیرہ نے بیٹھے بیٹھے ایک نظر گھر پر ڈالی خاصا بڑا اور خوبصورت گھر تھا۔ اگر وہ عمیرہ باجی کی موجودگی میں اس گھر میں آتی تو یقیناً" اتنا خوبصورت گھر دیکھ کر خوشی سے چیخ پڑتی مگر اس وقت دل چاہ رہا تھا کہ دھاڑیں مار کر روئے۔

"میرے خدا! تم نے مجھے کس آزمائش میں ڈال دیا ہے۔" اس کے ہاتھ پیر سن ہونے لگے۔ زندگی کا یہ رخ بہت اذیت ناک تھا۔

"ماسی! سنی کو اٹھا کر اس کے کمرے میں لے جاؤ۔" باسط کے دروازہ کھولنے اور پھر بات کرنے پر وہ چونک کر حواس میں پلٹی۔

"سلام بی بی! جی آیا نوں۔" ماسی نے سنی کو اس کی گود سے اٹھاتے ہوئے سلام کیا۔ زنیرہ نے کوئی جواب نہ دیا۔ خاموشی سے گاڑی سے نکل آئی۔ پیروں سے جیسے کسی نے بھاری پتھر باندھ دیئے تھے۔ قدم اٹھانا دوبھر ہو رہا تھا۔ باسط نے بھی جیسے اس کی کیفیت محسوس کر لی تھی۔ دل تو اس کا بھی بہت بوجھل ہو رہا تھا۔ مگر وہ مرد تھا تقدیر کا یہ وار حوصلے سے سہ سکتا تھا اور سہ گیا تھا۔

"ٹیک اٹ ایزی!" اس نے زنیرہ کو حوصلہ دینے کی کوشش کی۔ زنیرہ کو اس وقت ایسے ہی لفظی سہارے کی ضرورت تھی۔ وہ ہمت کر کے باسط کے پیچھے چل پڑی۔ سٹنگ روم میں داخل ہوتے ہی وہ صوفے پر گرنے والے انداز میں بیٹھ گئی۔ دل کی دھڑکن جیسے بند ہوئی جا رہی تھی حلق میں کانٹے چبھ رہے تھے۔

"زرینہ! بی بی کے لیے پانی لاؤ۔" باسط اس کے چہرے کی زرد رنگت سے گھبرا گیا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے وہ ابھی اپنے حواس کھو دے گی۔

اس سارے معاملے میں کچھ تھا جو اسے معلوم نہیں تھا ورنہ نکاح سے پہلے اس نے خود زنیرہ سے بات کر کے اس کی رضامندی معلوم کی تھی۔

زنیرہ کی آنکھیں بند ہونے پر وہ تیزی سے اس کی طرف بڑھا۔ ہاتھ پکڑ کر اس کی نبض چیک کرنے کی کوشش کی مگر ہاتھ کے بے جان انداز سے ہی اسے اندازہ ہو گیا کہ وہ بے ہوش ہو چکی ہے۔

"زرینہ! بی بی کے جوتے اتار کر صوفے پر لٹاؤ۔" باسط کی پیشہ ورانہ ڈاکٹری حس مستعد ہو گئی۔

❋ ❋ ❋ ❋

زنیرہ نے نیند سے بوجھل آنکھیں بمشکل کھولیں۔ پپوٹے بہت بھاری ہو رہے تھے۔ نیند کا خمار دماغ پر پھر سے حاوی ہونے لگا۔ اس سے پہلے کہ کروٹ بدل کر پھر سے نیند کی آغوش میں پہنچ جاتی' نظر سامنے دیوار اور پھر چھت پر پڑی۔ در و دیوار کی تبدیلی سے دماغ کو جیسے جھٹکا لگا۔ نیند کا خمار پل بھر میں غائب ہو گیا۔ سوئے حواس بحال ہو گئے۔ وہ تیزی سے اٹھ کر بیٹھ گئی پرندوں کے چہچہانے کی آواز سے لگ رہا تھا کہ باہر صبح ہو چکی ہے۔

کھٹکے کی آواز پر اس نے بائیں طرف گردن موڑی۔ وہ شاید باتھ روم کا دروازہ تھا' باسط کندھے پر تولیہ رکھے برآمد ہوا۔

"کیسی طبیعت ہے؟"

"ٹھیک ہوں۔"

باسط نے ہونٹوں کی بے آواز جنبش اور سر کے ہلکے سے خم سے اس کے جواب کا اندازہ کیا اور آگے بڑھ کر کھڑکیوں سے پردے ہٹا دیئے۔ کمرہ روشنی سے بھر گیا اور گلاس ونڈوز سے لان کا خوبصورت سرسبز منظر نظر آنے لگا۔ اس نے ایک نظر کمرے کا جائزہ لیا۔ وہ خاصا بڑا اور ویل ڈیکوریٹ بیڈ روم یقیناً" عمیرہ باجی کا تھا کیونکہ جس بیڈ پر وہ بیٹھی تھی۔ یہ انہیں جہیز میں ملا تھا۔

"مگر مجھے یہاں کون لایا؟" اس نے خود سے سوال کیا۔ سٹنگ روم تک تو اسے سب یاد تھا مگر پھر یہاں تک پہنچنے کا عمل۔۔۔ تو کیا باسط۔۔۔ نہیں" اس نے سختی سے ابھرتے خیال کو رد کیا۔

باسط مجھے میری مرضی کے بغیر اس کمرے تک نہیں لا سکتے۔ میں انہیں اس کا اختیار دوں گی نہ

اجازت۔ میں صرف سنی کے لیے اس گھر میں آئی ہوں۔ یہ گھر اس کی ہر چیز اور باسط سب عمیرہ باجی کے ہیں اور سدا رہیں گے۔ میں ان میں کبھی خیانت نہیں کروں گی۔ اس نے پھر سے عہد نو کو تازہ کیا۔

باسط بغور اس کے چہرے کے اتار چڑھاؤ کا جائزہ لے رہا تھا۔ چہرے کے تناؤ اور ہونٹوں کو سختی سے بھینچنے کے عمل سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ کوئی فیصلہ کر چکی ہے۔ اسے وہ شوخ و شریر زنیو یاد آنے لگی جو ہر وقت نت نئی شرارتوں میں مصروف رہتی تھی اور جس کی شرارتوں کا نشانہ وہ خود بھی بن چکا تھا۔ یہ وہ زنیو تو ہرگز نہیں تھی۔

"سنی کہاں ہے؟" اس نے پوچھا۔

"وہ زرینہ کے پاس ہے۔"

"کیوں؟ اسے میرے پاس ہونا چاہیے تھا۔"

"آپ کی طبیعت خراب تھی۔ ویسے بھی سنی کو زرینہ ہی سنبھالتی ہے۔ وہ اپنے کمرے میں اس کے پاس سوتا ہے۔"

"کیا؟" زنیو کو حیرت ہوئی۔ اتنا چھوٹا بچہ اور الگ کمرے میں ملازمہ کے پاس۔ اسے تو ماں کے پاس ہونا چاہیے تھا۔ عمیرہ باجی شادی کے بعد خاصی سوشل اور نزاکت پسند ہو گئی تھیں۔ خیر جس کا اتنا چاہنے والا شوہر ہو نزاکت تو اس میں خود بخود ہی آجاتی ہے لیکن اس حد تک نزاکت پسند اور سوشل ہونا کہ اپنا اکلوتا چھوٹا بچہ بھی اپنے سے الگ رکھا جائے قابل تعجب خیز تھا۔ شاید ایسی ہی سوسائٹی میں پروان چڑھنے والے بچے "جو بوؤ گے وہی کاٹو گے" کے مصداق بڑے ہو کر ماں باپ کو لفٹ نہیں کراتے۔

"میرے خیال میں آپ شاور لے لیں۔ فریش ہو جائیں گی۔" باسط نے اس کا دھیان بٹانے کو کہا۔ "میں ناشتے کا کہتا ہوں۔"

"یہ عمیرہ باجی کا کمرہ ہے نا؟" زنیو کے سوال پر باسط کے باہر جاتے قدم رک گئے۔

"ہاں!" کافی دیر بعد وہاں سے جواب آیا۔

"آپ کو مجھے یہاں نہیں لانا چاہیے تھا۔" باسط کی سمجھ میں نہ آیا کہ جواباً کیا کہے۔

"ناشتے کے بعد بات ہوگی۔ آپ فریش ہو جائیں۔" کافی دیر بعد اسے یہی الفاظ مناسب لگے۔

@ @ @ @

ساری رات عمیرہ کی یاد نے اسے سونے نہیں دیا تھا۔ ماضی کا ایک ایک لمحہ جیسے فلم بن کر آنکھوں کے سامنے چل رہا تھا۔ ایسی بے کلی ایسی بے قراری تھی کہ باسط کو اپنا سانس سینے میں گھٹتا محسوس ہونے لگا تھا۔ دل چاہ رہا تھا کہ کہیں باہر نکل جائے۔ کھلی ہوا میں لمبے لمبے سانس لے۔ وہ خود اس کمرے میں رکنا نہیں چاہ رہا تھا اور پھر ایسی صورت میں جب زنیو اس کمرے میں اس بیڈ پر عمیرہ جیسی حیثیت سے سو رہی تھی۔ بے شک ابھی وہ خود بھی اسے عمیرہ جیسی حیثیت' اس جیسا مقام نہیں دے سکتا تھا لیکن بہرحال یہ حقیقت تھی کہ وہ قانونی اور شرعی لحاظ سے اب اس کی بیوی تھی اور اس بات کا تہیہ اس نے نکاح سے پہلے ہی کر لیا تھا کہ زنیو کے سلسلے میں وہ اپنے سارے حقوق و فرائض سے احسن طریقے سے عہدہ برآ ہو گا چاہے اس کا دل مانے یا نہ مانے۔

لیکن تب اسے اندازہ نہیں تھا کہ بعض مشکل فیصلے کر تو لیے جاتے ہیں' مگر ان پر عمل ناممکنات میں سے محسوس ہوتا ہے۔ فی الحال اس کا دل زنیو کی قانونی اور شرعی حیثیت ماننے کو تیار نہیں تھا اور خود زنیو کے رویے سے بھی لگ رہا تھا کہ اس کی کیفیت اس سے مختلف نہیں ہے۔ سو مناسب یہی تھا کہ خود کو وقت اور حالات کے دھارے پر چھوڑ دیا جائے۔ زنیو اگر اس کے بیڈ روم میں نہیں رہنا چاہتی تو کوئی بات نہیں۔ وہ اسے کبھی مجبور نہیں کرے گا۔ سنی کو اس کے پیار کی' اس کی ممتا کی ضرورت تھی اور وہ سنی کے لیے کچھ بھی کر سکتا تھا۔

باسط نے گھڑی دیکھی۔ کافی دیر ہو گئی تھی۔ زنیو کو اب تک ناشتے کی ٹیبل پر آجانا چاہیے تھا۔

"ماسی جاؤ عمیر....." وہ کہتے کہتے رک گیا۔ افوہ۔ کس قدر مماثلت ہے دونوں ناموں میں۔ پتا نہیں والدین اتنے ملتے جلتے نام کیوں رکھ دیتے ہیں' اگر کبھی زنیو کے سامنے اس طرح نکل گیا تو اس کے دل پر کیا

گزرے گی۔

"ماسی! جاؤ زینی بی بی کو بلا لاؤ۔"

اسی وقت وہ سنی کو گود میں اٹھائے نمودار ہوئی۔ پیچھے پیچھے زرینہ بھی چلی آرہی تھی۔

ماسی نے اس کے لیے مخصوص کرسی کھینچی۔ عمیرہ کے لیے بھی وہ ہمیشہ اسی طرح یہی کرسی کھینچا کرتی تھی۔ سنی البتہ عمیرہ کے بجائے زرینہ کی گود میں ہوتا تھا اور وہی اسے سیریلیک کھلایا کرتی تھی۔

زنیو نے ایک نظر اس کو دیکھا پھر اس کے سامنے کرسی پر بیٹھ گئی۔ سنی اس کی گود میں ہمک رہا تھا۔

"زرینہ! تم جا کے سنی کے فیڈر ابالو اور آئندہ روز صبح سنی کے اٹھنے سے پہلے فیڈر ابال کے خشک کر دیا کرو۔"

ماسی نے چائے بنا کے ان کے سامنے رکھی۔

"ٹھیک ہے ماسی! تم بھی جاؤ ناشتہ کرو۔" وہ سنی کو سیریلیک کھلاتے ہوئے یوں ہدایات دے رہی تھی جیسے شروع سے اس گھر میں رہتی ہو۔ سنی کو اس کی گود میں سیریلیک کھاتے دیکھ کر کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ وہ اس کی سگی ماں نہیں ہے اور سچی سی بات تھی کہ عمیرہ کے بعد اس نے سنی کا اتنا خیال رکھا تھا کہ خود عمیرہ نے اپنی زندگی میں سنی کو اتنی توجہ' اتنا وقت نہیں دیا تھا اور اس کی سنی سے محبت کو دیکھتے ہوئے باسط نے اس سے نکاح کا فیصلہ کیا تھا۔

✡ ✡ ✡ ✡

شام کو باسط ہاسپٹل کا چکر لگا کر واپس گھر آیا تو وہ سٹنگ روم میں سنی کے ساتھ مصروف تھی۔ کل والے ملگجے کپڑے اور بے توجہی سے بندھے بال جن کی اکثریت پونی کی قید سے آزاد ہو چکی تھی۔ اسے دیکھ کر کون کہہ سکتا تھا کہ کل اس کی شادی ہوئی ہے لیکن شاید شادی تو خوشی کا نام ہوتا ہے اور وہ خوش نہیں تھی تو کیسی شادی۔ کہاں کا بناؤ سنگھار؟

باسط کو افسوس ہونے لگا۔ اپنی غرض کے لیے اس نے جذبوں اور امنگوں سے بھری لڑکی کو تہی داماں کر دیا تھا۔ شادی تو ہر لڑکی کا سنہری خواب ہوتا ہے اور اس نے یہ سنہری خواب اس کی پلکوں سے نوچ لیا تھا۔

دلکش اور جواں شخصیت
بلنڈا کی بدولت
Bollinda®
BRA and BRIEF
عمدہ میٹریل سے تیار کردہ بلنڈا کے BRA اور BRIEF اپنے اعلیٰ معیار۔ عمدہ فٹنگ اور دیدہ زیب ڈیزائن کی بدولت ہر عمر کی باذوق خواتین کی اوّلین پسند ہیں

بلنڈا کے انڈر گارمنٹس اپنائیے
ایک آرام دہ احساس پائیے
فون برائے کاروباری رابطہ
021-2438526

زنیرہ نے ایک سرسری نظر اسے دیکھا پھر سنی کی طرف متوجہ ہوگئی۔ سنی نے اسے دیکھ کر ہمکنا شروع کردیا۔

"میرا بیٹا میرے پاس آئے گا۔" اس نے آگے بڑھ کر اسے اٹھالیا اور وہیں کارپٹ پر دھرنا مار کر بیٹھ گیا۔

"باسط! آپ پھر نیچے بیٹھ گئے۔ کتنی بار منع کیا ہے۔ اس طرح ملازمین کے سامنے مت بیٹھا کریں۔ کیا سوچیں گے وہ۔" عمیرہ کی محبت بھری ڈانٹ پر وہ مزید پھیل کر بیٹھ جاتا۔

"سوچتے ہیں تو سوچیں۔ میں اپنے بیٹے کو کارپٹ پر بیٹھ کر پیار کروں یا سڑک پر میری مرضی۔" وہ لاپروائی سے سنی کو پیار کرتے ہوئے جواب دیتا۔

"آپ کو پتا ہے۔ آپ کتنے آکورڈ لگتے ہیں۔ کوئی کہہ سکتا ہے کہ آپ اتنے بڑے ہارٹ سرجن ہیں۔ باہر سے اسپیشلائز کرکے آئے ہیں۔"

"چھوڑو یار! یہ صرف ہاسپٹل کی حد تک ہے۔ اب ہاسپٹل اور گھر میں فرق تو ہونا چاہیے پھر ہارٹ سرجن کا دل بھی عام انسان جیسا ہی ہوتا ہے۔ اگر بابا کی ڈاکٹر بنانے کی خواہش کا احترام نہ ہوتا تو آج میں کسی اخبار یا رسالے میں دھانسو قسم کی تحریریں لکھ رہا ہوتا۔ میری شاعری اور فیچرز کی یہاں وہاں ہر طرف دھوم ہوتی۔ مشاعروں اور پارٹیوں میں لڑکیاں میرے دائیں بائیں، آگے پیچھے لٹکتی پھرتیں اور آپ یعنی بیگم عمیرہ باسط جل جل کر جل ککڑی بن جاتیں۔"

"فار گاڈ سیک۔ زبان تو ڈھنگ کی بولا کریں۔" عمیرہ زچ ہوجاتی۔

"اگر آپ حکم کریں تو آج سے ہم اشاروں کی زبان میں بات کریں گے، مگر پھر یہ نہیں کہنا کہ ملازمین کے سامنے اشارے بازی کرتے ہوئے آکورڈ لگتا ہوں، ویسے مجھے اشارے بازی کی بھی خاصی پریکٹس ہے۔ اسکول کے زمانے میں اپنی دوست کے ساتھ ان کے گھر کی چھت پر کبوتر بازی پلس عشق بازی کیا کرتا تھا۔" اس کی زبان چل پڑتی تو رکنے کا نام نہ لیتی۔

"کیا، آپ....؟" عمیرہ حیرانی سے اسے دیکھنے لگتی۔

"جی ہم اور جناب یہیں سے تو ہمیں دل کے جملہ امراض اور پیچیدگیوں سے شغف پیدا ہوا۔ بابا نے ہمارے طور طریقے اور دلچسپیوں کو دیکھتے ہوئے عزم مصمم کرلیا کہ وہ ہمیں دل کا ڈاکٹر بنائیں گے۔" باسط مبالغہ آرائی کی حد کردیتا۔

"خدا سمجھے آپ کو، کبھی کبھی مجھے لگتا ہے کہ لقمان اور زنیرہ کی روح آپ میں آگئی ہے۔"

"بھئی واہ! خوب یاد دلایا۔ کیا مزے کی چائے بناتی ہے اپنی زنیرہ بھی مگر آپ کے ہاتھوں کی لذت کے کیا کہنے۔"

"مجھ سے نہیں بنتی چائے وائے۔ میں ملازمہ سے کہتی ہوں۔"

"آپ کی چائے ٹھنڈی ہو رہی ہے۔" زنیرہ کی آواز پر وہ چونک کر حال میں لوٹ آیا۔

"آپ نہیں پئیں گی؟" سنی کو اسے پکڑا کر چائے کا کپ اٹھاتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں۔ میں پی چکی ہوں۔"

باسط نے چائے کا بڑا سا گھونٹ لیا۔ ذائقہ بتا رہا تھا کہ وہ خود بنا کے لائی ہے۔

"آپ نے کپڑے نہیں بدلے؟"

اور زنیرہ کی سمجھ میں نہ آیا کہ وہ اسے کس طرح بتائے کہ اس کے پاس دوسرے کپڑے نہیں ہیں۔ وہ اماں ابا کے گھر سے تن کے کپڑوں کے سوا کچھ نہیں لائی۔ یہاں تک کہ اپنا جنم جنم کا رشتہ بھی ٹوٹ آئی ہے۔

باسط کو اس کے چہرے کی اداسی بے چین کرنے لگی۔

"آپ کپڑے بدل لیں پھر باہر چلیں گے۔" وہ اس کا دل بہلانے کے خیال سے بولا۔

"وہ۔ میں۔ میرے پاس دوسرے کپڑے نہیں ہیں۔" باسط کو اس جواب پر حیرانی ہوئی کیا اسے معلوم نہیں ہے کہ اماں نے کپڑوں اور زیور سے بھرا اٹیچی کیس اس کے ساتھ کیا ہے۔

"اماں نے اٹیچی کیس دیا تھا، شاید اس میں کپڑے

اور زیور ہیں۔"

"اچھا، حالانکہ میں نے انہیں منع کیا تھا۔"

باسط کی حیرانی بڑھنے لگی اور وہ اس کی حیرانی بھانپ کر بولی۔

"آپ چاہے کچھ بھی سمجھیں یا سوچیں مگر میں اس گھر کی کوئی چیز استعمال نہیں کرنا چاہتی اور نہ آپ ان لوگوں کا ذکر میرے سامنے کریں گے۔ میں نے ان سے ہر رشتہ توڑ کے آپ سے ناتا جوڑا ہے اور اگر آپ نے ان سے کوئی تعلق رکھا تو میں یہ رشتہ توڑ دوں گی۔"

اس کی آواز میں بلا کا ٹھہراؤ تھا۔

"یہ وہ زنیرہ ہرگز نہیں ہوسکتی۔ یہ تو کوئی اور ہے۔" باسط کو اس کے لہجے کی مضبوطی اور ٹھہراؤ پریشان کر گیا۔

"اوکے۔ ایز یو وش۔ ایز یو لائک۔ اٹس یور ہوم۔ آپ کی مرضی ہے کہ یہاں جیسے چاہے رہیں جو چاہے کریں۔ میں انٹرفیئر (مداخلت) نہیں کروں گا لیکن اتنا ضرور چاہوں گا کہ اس سے پہلے ہم میں جو بے تکلفی جو دوستی تھی وہ بڑھے کم نہ ہو۔"

زنیرہ کا دل چاہا کہے۔ پہلے کی بات اور تھی۔ پہلے وہ اسے کسی اور حوالے سے دیکھتی تھی۔ بے شک اب وہ حوالہ نہ رہا مگر پھر بھی آپ کے وجود سے اس گھر اور اس کی ہر چیز میں یہاں تک کہ اس گھر کی ہوا جس میں وہ سانس لے رہی تھی، عمیرہ آپی کی خوشبو رچی تھی۔ اگر وہ عمیرہ آپی کے علاوہ کوئی اور ہستی ہوتی تو شاید وہ کمپرومائز کر بھی لیتی لیکن وہ تو عمیرہ آپی اور اس کی محبت کی امین تھی۔ جب کبھی بھی عمیرہ آپی آتیں۔ اس کی محبت اور والہانہ پن کے قصے سناتیں یہ دیکھے بغیر کہ جسے سنا رہی ہیں وہ وہ شرم سے گردن جھکائے اپنے کسی کام میں منہمک ہونے کی کوشش کر رہی ہے۔ آپی شادی کے بعد ماڈرن ہونے کے نام پر بہت بولڈ ہوگئی تھیں۔

"چلیں۔ بازار چلتے ہیں۔" اسے سوچتے دیکھ کر باسط اٹھ کھڑا ہوا۔

اس دن کے بعد دونوں میں جیسے سمجھوتا طے پا گیا۔ ایک دوسرے کو چھیڑے بغیر اپنی زندگی جینے کا۔ باسط صبح سے شام اور کبھی رات تک ہاسپٹل میں رہتا۔ واپسی پر دونوں ساتھ کھانا کھاتے اس طرح کے ٹیبل پر ایک دوسرے کی موجودگی محسوس نہ ہوتی تھی۔ باسط نے کئی بار چاہا کہ یہ فاصلہ ختم ہو یا کم از کم ان میں تھوڑی سی دوستی کا رشتہ قائم ہوجائے مگر زنیرہ جیسے پتھر کی مورت تھی جو نہ کچھ سنتی تھی نہ دیکھتی تھی۔

البتہ سنی کو وہ بھرپور توجہ اور محبت دے رہی تھی۔ صبح سے شام تک اس کے ساتھ مصروف رہتی اس کے سارے چھوٹے بڑے کام خود کرتی اور خیال تو وہ اس کا بھی رکھ رہی تھی۔ صبح سویرے جوس اور رات کو سونے سے پہلے دودھ ملازمہ اسے تاکید سے دے جاتی تھی۔ مجموعی طور پر عمیرہ کے مقابلے میں وہ اس کا اور گھر کا بہت زیادہ خیال رکھ رہی تھی۔

عمیرہ سوشل مائنڈڈ تھی۔ اس کی وجہ سے اس کا حلقۂ احباب بڑھا تھا۔ اور وہ ہائی سوسائٹی میں پہچانا جانے لگا تھا ورنہ وہ تو بہت ریزرو سا بندہ تھا۔ اپنے کام سے کام رکھنے والا اور اپنے مختصر سے حلقۂ دوستی میں مسرور و مگن۔ بہ الفاظ دیگر کنویں کا مینڈک تھا جو کنویں میں ٹرٹرا کر خوش ہوتا رہتا ہے۔

عمیرہ کے میکے کا ماحول آزاد نہیں تھا لیکن ایسی کوئی پابندیاں بھی نہیں تھیں۔ مگر عمیرہ نے جس طرح شادی کے بعد ہائی سوسائٹی میں موو کیا تھا اس کے انداز اور مینرز اپنائے تھے وہ کبھی کبھی باسط کو حیران کردیتے بعض دفعہ اعتراض بھی ہوتا مگر عمیرہ کی محبت میں خاموش ہوجاتا۔ عمیرہ کی خوشی اسے بہت عزیز تھی۔ یوں بھی پیسے کی کمی نہ تھی جو عمیرہ کے شوق کی راہ میں حائل ہوتی۔ باسط اپنے والدین کی اکلوتی اولاد تھا۔ گاؤں میں ان کی کافی زمینیں اور باغات تھے جن کی آمدنی ان کی سادہ زندگی کے مقابلے میں کہیں زیادہ تھی۔ لہٰذا کافی پیسہ باسط کے نام پر بینک میں جمع ہوتا رہتا تھا۔ اس کے والدین کی ساری خوشیاں اس سے منسوب تھیں۔ ماں جی اس کی شادی کے کچھ عرصے بعد سفر آخرت پر روانہ ہوگئیں اس

کے بعد بابا مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ چلے گئے۔ وہ چاہتے تھے کہ انہیں وہیں موت آئے اور وہ مر کر وہیں دفن ہوں۔ عمیرہ کے انتقال کی خبر سن کر وہ آئے مگر چند دن سے زیادہ نہ رہے اور جاتے ہوئے اس سے کہہ گئے۔

"بیٹا! اس گھر سے تعلق مت توڑنا۔ اسی میں تمہاری اور تمہارے بچے کی بہتری اور خوشی پوشیدہ ہے۔"

اور جب دوست احباب نے سنی کے نام پر اس کی دوسری شادی کا ذکر چھیڑا اور اس کے لیے زنیرہ کا نام تجویز کیا تو تب اسے بابا کی بات کی حقیقت سمجھ آئی کہ وہ اس سے کیا کہنا چاہتے تھے مگر شاید اس وقت مناسب خیال نہ کیا تھا۔

اس نے فون پر بابا کو ساری بات بتائی اور انہوں نے کہا۔

"بیٹا! میں اس وقت بھی یہی بات کہنا چاہتا تھا مگر تب تمہاری ذہنی حالت ایسی نہیں تھی۔ میری طرف سے تمہیں اجازت ہے۔"

"بابا آپ کب آرہے ہیں؟۔"

"فی الحال نہیں مگر میری دعائیں تمہارے ساتھ ہیں۔ تم اس نیک کام میں دیر نہ کرو۔"

اور واقعی ان چند دنوں میں ہی اسے احساس ہونے لگا تھا کہ اگر زنی اس کی زندگی میں نہ آتی تو عمیرہ کے بعد اس کی زندگی بہت زیادہ تنہا اور بے رنگ ہو جاتی۔ سنی الگ پرابلمز کا شکار ہوتا۔

◇◇◇ ♡ ◇◇◇

آج موسم عام دنوں کی نسبت خاصا ٹھنڈا تھا۔ سنی دن کو نہیں سویا تھا۔ اس لیے سر شام ہی سو گیا تو زنیرہ جیسے ایک دم فارغ ہو گئی۔ ماسی، زرینہ اور رحیم گل (خانساماں) ساتھ والی کوٹھی کے سرونٹ کوارٹر میں شادی تھی وہاں گئے تھے۔ ویسے بھی وہ اپنے کام سے کام رکھتے تھے۔ اماں کے گھر کی طرح نہیں کہ ملازمہ پاس بیٹھی دھڑا دھڑ گپیں لگا رہی ہے۔ اپنی مرضی سے کھا لی رہی ہے۔ کام بھی اپنی مرضی سے کیا۔ دل چاہا تو اچھا کر دیا ورنہ ان کے بعد دوبارہ خود سے کرو۔

وہ لان میں آگئی۔

"کس قدر خاموشی ہو رہی ہے گھر میں۔" اس کا دل وحشت زدہ ہونے لگا۔ اماں کے گھر میں تو کبھی کوئی شام اتنی سونی، ایسی خاموشی نہیں اتری۔ یہ اسلام آباد کا موسم اتنا حبس زدہ اور اداس کیوں رہتا ہے۔ خاموش خاموش، ویران ویران سا۔ اس میں لاہور جیسی شوخی و شرارت اور ہنگامہ کیوں مفقود ہے؟۔"

اس نے خود سے سوال کیا اور پھر خود ہی ہنس دی۔ بے سبب سی ہنسی جس میں نہ خوشی کا تاثر ہوتا ہے نہ دکھ کی ملاوٹ۔

"یور آر سو سلی زنیرہ بی بی! یہ اسلام آباد کا نہیں تمہارے اندر کا موسم ہے۔ دل میں بہار آئی ہو تو صحرا میں بھی پھول کھلے نظر آتے ہیں، ورنہ دیکھو تمہارے اردگرد کتنے پھول کھلے ہیں کیسی ٹھنڈی ہوائیں چل رہی ہیں مگر تمہارا دل مثل خزاں ہو چکا ہے۔ آسمان پر تیرتی ان بدلیوں کو دیکھو۔ یہ بالکل ویسی ہیں جیسی اماں کے آنگن پر چھایا کرتی تھیں اور جنہیں دیکھ کر تم ہنگامہ کھڑا کر دیتی تھیں۔

"اماں!..... اماں! بادل آئے ہیں۔" وہ گھر میں شور مچاتی اماں کو ڈھونڈنے لگتی۔

"ارے نظر آرہے ہیں۔ ہم کیا اندھے ہیں۔" اماں ایسے موسم میں اکثر اسٹور میں پائی جاتی تھیں۔

"اماں! سب گھروں سے پکوانوں کے خوشبوئیں آ رہی ہیں۔"

"تم کیا دوسرے کے گھروں کی سن گن لیتی پھرتی ہو؟۔" اماں پیٹی بند کرتے ہوئے ڈانٹتیں۔

"میں نے تو صرف چھت پر چڑھ کر دائیں بائیں سونگھا تھا۔ نغمانہ کے گھر سے سوجی کے حلوے کی خوشبو آرہی ہے اور عاشی لوگ پکوڑے تل رہی ہیں۔ پیچھے والوں نے شاید گلگلے بنائے ہیں اور یہ ہمارے سامنے والے۔"

"اے زنیرہ! یہ حرکتیں تجھے زیب دیتی ہیں جو تو کرتی پھر رہی ہے۔" اماں بھنا جاتیں۔

"ظاہر ہے جب اپنے گھر میں کچھ نہیں پکے گا تو دوسرے گھروں میں ہی جھانکوں گی۔" وہ اپنے مطلب

کی طرف آنے لگی۔

"تو کس نے منع کیا ہے۔ بوا سے کہہ دو۔ کچھ بنا دیں گی۔"

"کہا ہے مگر وہ کہہ رہی ہیں، اپنی اماں سے کہو۔ کبھی وہ بھی کچھ مگر لیا کریں۔" اس نے اپنے پیچھے بوا کی موجودگی سے بے خبر لگائی بجھائی کرنے کی کوشش کی۔

"اللہ میری توبہ۔" بوا نے گال پیٹ لیا۔ "یہ لڑکی ضرور مجھے اس گھر میں ذلیل کروائے گی۔ میرے سفید سر میں راکھ ڈالے گی۔"

"ارے چھوڑیں بوا! ہم کون سا لکڑیاں جلاتے ہیں۔" وہ شرمندہ ہونے کے بجائے ڈھٹائی کا مظاہرہ کرتی۔

"پہلے تو مجھے ترس آرہا تھا تم پر۔ اب پتھر پر لکیر سمجھو۔ میں کچھ نہیں بنا کے دینے کی اور رات کی روٹی بھی خود بنانا۔ میری کمر میں درد ہے۔ میں آرام کرنے جا رہی ہوں۔" بوا اسے کھری کھری سناتی اپنے کمرے کو روانہ ہو گئیں۔

اور زنیرہ کی امیدوں پر منوں پانی پھر گیا۔ بوا، دادا کے زمانے سے اس گھر میں تھیں۔ ابا کو بھی انہوں نے گود میں کھلا کر بڑا کیا تھا اس لیے ابا ان کی بالکل ماؤں جیسی عزت کرتے تھے۔ اماں نے بھی کبھی بوا کے کسی معاملے میں مداخلت نہیں کی تھی۔ کچن کی زیادہ تر ذمہ داریاں بوا ہی نباہ رہی تھیں۔ اب چاہے ساگ، دال پکا دیں یا مرغ، مچھلی۔ ان کی مرضی۔ اعتراض کرنے کی صورت میں بوا کچن کا بائیکاٹ کر دیتیں۔

جس دن بوا کو گھر کے کسی فرد پر غصہ ہوتا۔ اس دن وہ اس کی ناپسندیدہ چیز پکاتیں۔ مثلاً" زنیرہ کو ماش کی دال سخت ناپسند تھی۔ جس دن بوا کو اس کی کوئی بات یا حرکت بری لگتی یا وہ کسی شرارت کا نشانہ بن جاتیں تو اس دن دونوں وقت ماش کی دال کھانے کو ملتی۔

"بوا! میں ماش کی دال نہیں کھاؤں گی۔"

"تو مت کھاؤ۔ ساتھ والوں سے مانگ لو۔"

"بوا! میں کوئی فقیر ہوں؟۔"

"ان سے کم بھی نہیں ہو۔"

"بوا! تھوڑی سی مرغی یا قیمہ بھون لیں۔"

"میرے پاس ان چونچلوں کے لیے وقت نہیں ہے۔"

"اچھا۔ چلیں آملیٹ ہی بنا لیں۔ میں ماش کی دال نہیں کھاؤں گی۔ آپ کو پتا تو ہے۔"

"تو مت کھاؤ ہماری بلا سے اور یہ جو آملیٹ وغیرہ بنانا ہے خود بناؤ۔ ہم تمہارے بابا کے نوکر نہیں ہیں۔ ہم نے جو بنانا تھا بنا دیا۔ ہمارا کام ختم۔ اب چاہے کوئی کھائے یا بھوکا رہے اور سنو!" بوا جاتے جاتے پلٹیں۔ "کچن گندا نہ کرنا۔ سمیٹ کے نکلنا۔"

"مجھے پتا ہے آپ کیوں ناراض ہیں۔ اگر ابا آپ کو سچ مچ پیارے ہوتے نا تو ان کی اولاد سے بھی محبت ہوتی۔ رات دن پڑھ پڑھ کر دماغ خشک ہو گیا ہے۔ اب ہمیں کیا پتا کہ بادام کا حلوہ ابا کے لیے چھپا کے رکھا ہے یا اس لقمان کے بچے سے بچا کر ہمارے لیے۔ ہم تو اپنا سمجھ کے کھا گئے۔ اور دوپہر کو جو آپ نے ماش کی دال کھلائی تھی۔ اسے کھا کے پڑھتے ہوئے ہمارے آنکھوں کے آگے کالے پیلے دائرے بن رہے تھے اگر ہمارا دماغ چل گیا یا ہمارے آنکھوں پر موٹے موٹے شیشوں کی عینک لگ گئی تو نہ ہم پڑھ سکیں گے اور نہ کوئی بیاہنے آئے گا۔ ساری عمر بوا جاہل اور کنوارے پھریں گے۔"

اس نے زبردستی کی رقت طاری کر لی۔ کچھ تو تھی ہی معصوم صورت اور کچھ اداکاری کر کے بن گئی۔

بوا کے نرم دل پر چوٹ لگی۔

"اچھا تم جاؤ۔ میز پر بیٹھو۔ ہم نے سبحان میاں اور نعمان کے لیے شامی کباب رکھے تھے۔ ان میں سے تمہارے لیے تل کے لاتے ہیں۔"

"بی بی جی! آپ اتنے خراب موسم میں باہر بیٹھی تھی۔ سردی لگ جائے گی۔" زرینہ کی آواز پر یادوں کا سلسلہ ٹوٹ گیا۔

پتا نہیں کہاں تھی سردی اس کے اندر تو یادوں کی چنگاری نے الاؤ دہکا دیا تھا۔

"بیگم صاحبہ! آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے؟۔" ماسی کی آواز میں تشویش تھی۔

"ہوں..... ہاں ٹھیک ہوں۔ رحیم گل! آج کیا بنایا

ہے؟"

"چکن قورمہ، شامی کباب اور کھیر ہے۔"

"ساتھ ماش کی دال بھی بنالو۔"

"جی اچھا!" رحیم گل حکم کی تعمیل میں روانہ ہوگیا۔

ماسی اور زرینہ نے بھی اندر کی راہ لی تو زنیو وہیں لان میں ٹہلنے لگی۔

یوں لگ رہا تھا جیسے ابھی بارش برسنے لگے گی۔ اس نے یونہی سر اٹھا کے آسمان کی طرف دیکھا۔ بارش کا پہلا قطرہ گرا اور اس کی کھلی آنکھ میں جذب ہونے کی کوشش کرنے لگا۔

"اگر مجھے رونا ہو تو میرے اندر سمندر موجزن ہے۔" اس نے یونہی گردن اٹھائے بادل کو مخاطب کیا۔ "مجھے رونے کے لیے تمہاری آنکھ سے ٹپکے ان آنسوؤں کی ضرورت نہیں ہے۔ رونا کم حوصلہ لوگوں کا کام ہے اور میں بہت باہمت لڑکی ہوں۔ روتی نہیں۔ سمجھے تم۔" اس نے ہاتھ کی پشت سے جل تھل ہوتی آنکھوں کو صاف کیا۔

سینے میں گھٹن کا احساس بہت بڑھ گیا تھا۔

آخر میرے ساتھ ایسا کیوں ہوا؟

سب نے مجھے کیوں چھوڑ دیا۔

میرا اعتبار کیوں نہیں کیا؟

مجھ سے کچھ پوچھا کیوں نہیں۔

لقمان نے بھی میری حمایت نہیں کی، کوئی وضاحت نہیں مانگی۔ اسے تو مجھ سے محبت تھی۔ بے شک لڑتا رہتا تھا مگر میرے بغیر رہ نہیں سکتا تھا۔

اسے میں یاد تو آتی ہوں گی؟

وہ مجھے مس تو کرتا ہوگا۔

"لقمان!" دل پر جیسے کسی نے جلتا ہوا انگارہ رکھ دیا اور سارا جسم تپنے لگا۔ درد کی شدت ناقابل برداشت ہونے لگی تھی۔

اس کی تیز چیخ نے گھر کے در و دیوار کو ہلا کر رکھ دیا۔ کچن میں کام کرتی بوا کے ہاتھ سے چمچہ چھوٹا۔ اماں کے ہاتھ سے گلاس گر کر ٹوٹا۔ عمیرہ باجی کی گہری نیند ٹوٹی اور حنا کا ٹی وی سے تسلسل ٹوٹا۔

"الٰہی خیر!" بوا نے دل پر ہاتھ رکھا۔ اماں نے بھی ان کی تقلید کی۔

"یا اللہ خیر۔ میری بچی۔"

"یہ چیخ کیسی تھی؟" عمیرہ باجی کمرے سے نکل کر جائے واردات کو روانہ ہوئیں تو راہ میں حنا سے پوچھا۔

"زنیو باجی کو پتا نہیں کیا ہوا ہے۔"

سب سے پہلے اماں کی نظر زنیو پر پڑی جو آم کے درخت کے نیچے پھٹی پھٹی آنکھوں اور دہشت زدہ چہرے کے ساتھ کھڑی تھی۔

"زینی! میری بات تو سنو۔ خدا کی قسم۔ یہ نقلی ہے۔"

اماں نے آگے بڑھ کر زنیو کو تھاما، وہ شاید بارش میں بھیگتی ہوئی جامن چن رہی تھی جو اب اس کی جھولی سے گر کر ارد گرد بکھر گئے تھے۔ وہ اماں سے لپٹ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

"کیا ہوا ہے؟" اماں نے ماتھے پر بل ڈال کر لقمان کو گھورا۔

"اماں میں نے یہ ربڑ کا سانپ مذاق میں اس کے پاؤں پر پھینک دیا تھا۔" لقمان نے ڈرتے ڈرتے بتایا اور پشت پر کیا ہاتھ سامنے کر دیا۔

اب کے عمیرہ باجی اور حنا نے باری باری چیخنے کا فریضہ انجام دیا۔

"الٰہی خیر!" بوا بدک کر پیچھے ہٹیں۔

"کیا ہو گیا ہے؟ بتا تو رہا ہوں، نقلی ہے۔" لقمان نے پریشان ہو کر سانپ ایک طرف پھینک دیا۔

"لقمان! ہر بات کی حد ہوتی ہے۔ تمہیں پتا ہے۔ ایسا مذاق دوسرے کی جان بھی لے سکتا ہے۔" عمیرہ باجی نے ابتدا کی۔

اور اس کے بعد اماں اور بوا سے اس کی جو درگت بنی سو بنی۔ نعمان بھائی نے بھی پتا چلنے پر اسے خوب جھاڑا اور ابا نے اس کا ہفتہ بھر کا جیب خرچ بند کر دیا۔ لیکن ان سے بڑھ کر زنیو کی قطع تعلقی تھی۔ اس کی منتوں کے باوجود وہ اس سے بات نہیں کر رہی تھی اور لقمان کو اس کے بغیر ایک پل چین نہیں آتا تھا۔ اب

لقمان کس کے ساتھ لڑائی کرتا ہوگا، شاید حنا سے۔ مگر حنا کا مزاج لقمان کی شرارتوں کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ وہ بہت موڈی ہے۔ بولنے پر آتی ہے تو خوب بولتی ہے ورنہ گھنٹوں بلکہ سارا سارا دن اور بعض دفعہ دو تین دن تک اپنے کمرے میں الگ دنیا بسائے رکھتی ہے۔

◇◇◇◇ ♡ ◇◇◇◇

ڈرائیو وے عبور کرتے ہوئے باسط رضا کی نظر لان میں کھڑی زنیو پر پڑی تو حیرت کے شدید عمل نے اسے گاڑی روکنے پر مجبور کر دیا۔ اچھی خاصی بوندا باندی اور تیز ہوا نے موسم سرد کر دیا تھا اور وہ بغیر شال یا سوئٹر کے کھڑی بھیگ رہی تھی۔

"اوہ گاڈ! یہ پاگل ہو گئی ہے۔" حیرت کے ساتھ دکھ بھی شامل ہو گیا۔ وہ تیزی سے گاڑی سے اتر کر اس کی طرف بڑھا اور کوٹ اتار کر اس کے کندھوں پر ڈال دیا۔ زنیو بے طرح چونکی۔

اس پر نظر پڑی تو اسے اپنے اتنا پاس دیکھ کر بدک کر پیچھے ہٹی۔

باسط کو اس کا اس طرح بدکنا ندامت میں مبتلا کر گیا۔

"آپ اتنی سردی میں، بارش میں بھیگ رہی ہیں؟"

اس نے کوئی جواب نہ دیا۔

لیکن باسط کو اپنے سوال کا جواب اگلے ہی پل اس کی سرخ، دہکتی آنکھوں اور وحشت زدہ چہرے سے مل گیا۔ وہ اپنے حواسوں میں نہیں تھی۔

"زینی! تم ٹھیک تو ہو۔ آؤ اندر چلو۔" وہ اسے بازو سے پکڑ کر اندر لانے سے قاصر تھا کہ پہلے قریب ہونے کا رد عمل دیکھ چکا تھا، لیکن اس کے اندر آنے کے ارادے معلوم نہیں ہوتے تھے۔

"زینی! سردی لگ جائے گی۔"

"کہاں ہے سردی؟ آپ کو لگ رہی ہے تو چلے جائیں اندر۔" وہ سختی سے بولی۔

"دیکھو، بیمار پڑ جاؤ گی۔"

"بیمار پڑنے سے کیا ہوگا۔ مر جاؤں گی۔"

"زینی پلیز۔" وہ خود کو بہت بے بس محسوس کر رہا تھا۔

"میرے جینے یا مرنے سے کسی کو کیا فرق پڑے گا۔ آپ سنی کے لیے ایک اور ماں لے آئیے گا جیسے عمیرہ کے بعد میں مجبور ہو گئی آنے پر۔ میرے بعد کسی اور کو مجبور کر دیا جائے گا۔ آپ کی زندگی کا خلا پر ہو تا رہے گا۔"

اس کے منہ سے الفاظ نہیں گویا انگارے نکلے تھے۔ جنہوں نے باسط رضا کے دل کو، اس کے پورے وجود کو جلا کر بھسم کر دیا تھا۔ وہ اس کی نرمی کے جواب میں بدتمیزی کی حد پار کر گئی تھی اور وہ شاید یہ اذیت برداشت نہ کر سکا تھا کہ غیر ارادی طور پر اس کا ہاتھ اٹھا اور زنیو کے گال پر جم گیا مگر اگلے ہی لمحے ندامت کا شاید حملہ ہوا تھا اس پر۔

"بس خاک میں مل گئی ساری ہمدردی۔ دو جملے برداشت نہیں ہو سکے اور مجھے دیکھو۔ میں نے ناکردہ جرم کی پاداش میں سب کچھ کھو دیا۔ اپنی ہستی کا غرور، اپنے گھر والوں کا اعتبار، وہ ساری محبتیں جنہیں میں اپنا حق سمجھتی تھی، جن کی میں عادی تھی۔ سب کچھ چھین لیا گیا مجھ سے۔ مجھے تنہا کر دیا گیا۔ تمہیں بھی سنی کی وجہ سے مجھ سے غرض ہے ورنہ تم بھی مجھے اکیلا چھوڑ دو۔ ایک پل اس گھر میں برداشت نہ کرو۔"

وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ باسط حیرت اور دکھ کے سمندر میں غوطہ زن اسے دیکھ رہا تھا۔ بارش میں قدرے تیزی آ رہی تھی لیکن آنسوؤں کی برسات نے جیسے ہر طرف پانی بھر دیا تھا۔

"زینی! میرا یقین کرو۔ ایسا نہیں ہوگا۔ تم میری بیوی ہو۔ عمیرہ میرا کل تھی اور تم آج ہو۔ مجھے اپنا آج بہت عزیز ہے۔ تم آزما کر تو دیکھو۔" اور زنیو کو جانے کیا ہوا ایک دم اس کے کندھے سے آن لگی۔ شاید آبلہ پائی کے اس تنہا سفر میں تھکنے لگی تھی۔ کوئی تو ہو جسے ساری حقیقت حال کا علم ہو جو اسے بے قصور سمجھے، جو اسے ہمدردی میں توجہ کی بھیک نہ دے۔

باسط نے محسوس کیا۔ اس کے الفاظ ہی نہیں وجود بھی انگارے کی طرح دہک رہا تھا۔

"حوصلہ رکھو۔ سب ٹھیک ہو جائے گا انشاء اللہ۔ میں ہوں نا تمہارے ساتھ۔" اس کے گرد بازو حمائل کر کے اندر لاتے ہوئے نہ صرف اس کا مورال ہائی کرنے کی کوشش کی بلکہ خود سے بھی عہد کیا۔

♥ ♡ ♡ ♥

سبحان احمد خاصے کاروبار کے مالک تھے۔ حصہ تو انہیں دوسرے بہن بھائیوں کے برابر ہی ملا تھا۔ مگر ماں باپ کا پیار اور دعائیں ان کے حصے میں دوسرے بہن بھائیوں کی نسبت زیادہ آئے تھے۔ شاید اس کی وجہ یہ رہی ہو کہ وہ سب سے چھوٹے تھے جبکہ تین بیٹوں اور دو بیٹیوں کے بعد اس کے والدین اپنا گھرانہ پورا کر چکے تھے۔ تو سبحان احمد بالکل غیر متوقع طور پر وارد ہوئے۔

ان کی ولادت کے بعد ماں جی کافی بیمار رہنے لگی تھیں اس لیے ان کے لیے بوا کا انتظام کیا گیا۔ سولہ سالہ بوا کو اس کے شوہر نے شادی کے ایک سال بعد ہی طلاق دے دی تھی حالانکہ وہ قصوروار نہیں تھیں مگر سب کو وہی خطاوار نظر آئیں' ماں باپ مر چکے تھے اور بھائی اپنے اپنے گھروں میں مگن اور خوش اس بدنامی کے داغ کو اپنے ساتھ رکھنے پر آمادہ نہیں تھے۔ لہٰذا بوا نے تنگ آ کر نوکری کی ٹھانی کہ پیٹ روٹی مانگتا تھا۔ اب ان کی قسمت اچھی تھی کہ انہیں برہان احمد کے گھرانے جیسا نیک اور شریف گھرانہ مل گیا جہاں سبحان جیسے خوبصورت بچے کی صورت میں ان کی ممتا کی تسکین بھی ہونے لگی۔

برہان احمد نے اپنے سب بچوں کو ان کی شادیوں کے بعد الگ مکان دلا کر کاروبار سے علیحدہ حصہ دے دیا تھا۔ آخر میں سبحان احمد رہ گئے تو یہ بڑا سا مکان جس میں وہ رہائش پذیر تھے۔ ان کے حصے میں آیا۔ انہوں نے والدین کی خدمت کا فرض خوب انجام دیا اور بوا کو بھی ان جیسا عزت و احترام دیا۔ یہ بزرگوں کی دعائیں تھیں کہ ان کے کاروبار نے خوب ترقی کی۔ بیوی بھی بہت سلجھی ہوئی اور نیک طبیعت کی ملی۔ اللہ نے انہیں پانچ بچوں سے نوازا' سب سے بڑی عمیرہ پھر ایک سال کے فرق سے نعمان۔ نعمان کے تین سال بعد لقمان اور زنیرہ کی اکٹھی پیدائش ہوئی۔ ان سے دو سال چھوٹی حنا تھی مجموعی طور پر ان کا گھرانہ ایک خوش باش گھرانہ تھا۔

عمیرہ اور نعمان بنیادی طور پر سنجیدہ طبیعت واقع ہوئے تھے۔ جبکہ لقمان اور زنیرہ ان کا الٹ تھے۔ حنا موڈی تھی۔ کبھی عمیرہ اور نعمان کی طرح بہت سنجیدہ اور تنہائی پسند کبھی لقمان اور زنیرہ کی طرح انتہائی شوخ ہو جاتی۔ جڑواں ہونے کی وجہ سے لقمان اور زنیرہ کی آپس میں بہت دوستی تھی۔ بظاہر ہمیشہ لڑتے جھگڑتے پائے جاتے۔ کسی موضوع پر ہم خیال ہوتے ہوئے بھی اختلاف برائے اختلاف کی پالیسی اپنائی جاتی لیکن اس سب کے باوجود وہ ایک دوسرے سے بہت اٹیچ تھے۔

لقمان کو اپنے نام سے خاصی چڑ تھی۔ کیونکہ اس کی وجہ سے وہ اکثر و بیشتر مذاق کا نشانہ بنتا رہتا تھا مگر کیا کہتا کہ دادا جان کو قافیے ملانے کے چکر میں لقمان کی معصوم جان چکرا کر رہ گئی تھی۔ برہان کی نسبت سے سبحان اور نعمان تو ٹھیک تھے بلکہ خوب تھے مگر "لقمان" یہ نام اسکول اور کالج میں وجہ شہرت بن گیا تھا۔ اس کا بس چلتا تو اپنا نام بدل دیتا مگر دادا کی نسبت سے یہ ابا کو بہت عزیز تھا۔ دوسری صورت نام کا آخری حصہ "مان" بتانے کی تھی۔ مگر ہائے ری قسمت اسے زنیرہ جیسی بہن ملی تھی جو نہ صرف جنم جنم سے ساتھ تھی بلکہ اسکول سے لے کر کالج تک ہر کلاس میں ساتھ تھی۔

گھر میں چونکہ اسے پورے اہتمام سے لقمان پکارا جاتا تھا (بلکہ بوا تو لقمان میاں پکارتی تھیں جو اسے مزید سلگاتا) اس لیے زنیرہ کی زبان پر شروع سے اس کا پورا نام چڑھا تھا اکثر وہ چڑ کر لڑنے لگتا۔

"تمہیں خدا کا واسطہ۔ مجھے اسکول میں لقمان کہہ کر مت پکارا کرو۔"

"پھر کیا ابن سبحان کہا کروں؟۔" وہ انجان بن کر پوچھتی۔

"مان' نہیں کہہ سکتی؟۔"

"نہیں کہہ سکتی کیونکہ یہ نام دادا جان نے انتہائی

محبت اور شوق سے رکھا تھا اور میں ان کی روح کو اذیت نہیں پہنچا سکتی۔"

"اللہ انہیں داخل جنت کرے۔ مجھے تو جیتے جاگتے دوزخ میں دھکیل گئے جس کو دیکھو حکیم لقمان کہہ کر مذاق اڑا رہا ہے۔"

"ہاں یہ حکیم لقمان کے ساتھ انتہائی زیادتی ہے۔ کہاں وہ علم و دانش کا مرقع اور کہاں آپ جیسے ہونق....."

"زنیرہ کی بچی!" وہ کبھی اسے ایک ہاتھ جڑ دیتا۔ کبھی بال نوچ لیتا اور پیچھے رہنے والوں میں سے وہ بھی نہیں تھی۔

اسکول کے بعد کالج کا مسئلہ پیدا ہو گیا۔ لقمان کسی صورت زنیرہ کے ساتھ داخلہ لینے پر تیار نہیں تھا مگر ابا کے سامنے ایک نہ چلی۔

"انجینئرنگ پڑھ کر کیا کرو گے صاحبزادے! تمہیں اس کاروبار کو سنبھالنا ہے۔ کوئی حساب کتاب پڑھو۔ فائدہ ہو گا۔"

اور پھر اسے کالج میں زنیرہ کے ساتھ ہی پڑھنا پڑا۔ وہ تو مزے سے سائیکالوجی پڑھ رہی تھی۔ جبکہ وہ اکنامکس رکھنے پر مجبور ہو گیا تھا۔ اسے اکنامکس سے چڑ تھی بالکل اپنے نام کی طرح مگر دونوں سے فرار مشکل تھا لیکن ایک مشکل کا حل اس نے اپنی سمجھ کے مطابق تجویز کر ہی لیا اور اس میں زنیرہ کی مداخلت بھی کام نہیں آ سکتی تھی وہ اکنامکس میں انتہائی شاندار نمبروں سے فیل ہو گیا اور پھر نعمان بھائی کو اپنا مسئلہ بتا کر انہیں ابا کو کونوینس کرنے کی مہم پر لگا دیا۔ جلد ہی انہوں نے یہ معرکہ سر کر لیا کہ یہ ان کے لیے ایسا مسئلہ نہیں تھا۔ (وہ ابا میاں کے چہیتے تھے) یوں لقمان کالج کی حد تک زنیرہ کی چیرہ دستیوں سے محفوظ ہو گیا۔

✈ ✈ ✈ ✈

وہ عنیزہ کی طرف نوٹس لینے کے بہانے گئی تو باتوں میں وقت گزرنے کا پتا نہ چلا اور شام ہو گئی۔ اب اسے اکیلے واپس آتے ہوئے ڈر لگ رہا تھا۔ عنیزہ کے ابو گھر پر نہیں تھے اور اس کے جوان جہان بھائی کے ساتھ بائیک پر بیٹھنا اسے نہ خود گوارا تھا نہ گھر والے اس کی اجازت دیتے۔ کئی دفعہ گھر کا نمبر ملایا مگر مسلسل انگیج تھا اور جب وہ پریشانی کے مارے رونے والی تھی تو فون مل گیا۔ اٹھانے والا لقمان تھا۔

"میں کب سے ٹرائی کر رہی ہوں۔ انگیج کیوں کیا ہوا تھا۔؟"

"میں ٹرائی اگین کے فارمولے پر عمل کر رہا تھا۔" وہ شوخی سے بولا۔

"کیا مطلب؟۔" وہ حیران ہوئی۔

"مطلب یہ کہ میں اپنے دوست کا نمبر ملا رہا تھا کہ فون کہیں اور جا کے مل گیا۔ ایک پٹاخہ سی لڑکی نے فون اٹھا لیا۔ میں نے سوچا چلو بات کر کے کال کے پیسے پورے کر لیں۔ کچھ دیر تو محترمہ منگیتر سمجھ کے ہوش و حواس میں بات کرتی رہیں پھر دماغ خراب ہو گیا۔ مجھے اس کا صحیح نمبر تو پتا نہیں تھا۔ بس ری ڈائل دیا تا رہا۔ پہلے لڑکی نے خود اور پھر اس کی اماں نے انتہائی اعلا درجے کی گالیوں اور کوسنوں سے نوازا۔" لقمان نے ہنستے ہوئے تفصیل بتائی۔

"ابا کو پتا چل گیا ناں تو جان نکال دیں گے۔"

"تو میں نے کہا تھا کہ مجھے منگیتر سمجھنے کی غلط فہمی میں مبتلا ہو اور جب اسے پتا چل گیا تھا کہ میں وہ نہیں ہوں تو تمیز سے بند کر دیتی۔ اماں کو مدد کے لیے بلانے کی کیا ضرورت تھی۔ ارے ہاں۔ اماں سے یاد آیا۔ تم بھی فوراً گھر پہنچو۔ اماں کے تیور خطرناک ہوتے جا رہے ہیں۔"

"میں نے اسی لیے فون کیا ہے۔ لقمان پلیز! مجھے لینے آ جاؤ۔"

"سوری سسٹر! آنے کی تکلیف تمہیں خود ہی کرنی ہو گی کیونکہ میری بائیک میں ایک قطرہ پیٹرول نہیں ہے۔"

"لقمان! میں اکیلی نہیں آ سکتی۔ پلیز آ جاؤ ناں۔ پیٹرول میں ڈلوا دوں گی۔"

"تو کیا وہاں تک بائیک گھسیٹ کر لاؤں۔ صبح تم سے سو روپے مانگے تھے اگر دے دیتیں تو اب یہ مصیبت نہ اٹھانا پڑتی۔" لقمان کو صبح کا منت بھرا پیریڈ یاد آ گیا۔

"تو یوں کہو، تم بدلہ لے رہے ہو۔"

"کیسی دشمنوں جیسی باتیں کرتی ہو عزیزہ!"

"مان بھائی پلیز۔" زنیرہ کے پاس منت کرنے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔

"اب آئی ہو نا قابو میں۔" لقمان بڑبڑایا۔ "اچھا اگر تم اتنا اصرار کر رہی ہو تو میں اس میں پانی ڈال کر چلانے کی کوشش کرتا ہوں اگر دس منٹ میں پہنچ گیا تو ٹھیک ورنہ سمجھنا کہ پانی سے چلانے کا تجربہ ناکام ہو گیا ہے۔ ایسی صورت میں جلد سے جلد گھر پہنچنے کی کوشش کرنا کیونکہ اماں....."

زنیرہ نے اس کی پوری بات سنے بغیر فون رکھ دیا۔ صبح کے واقعے کے بعد اسے ہرگز امید نہ تھی کہ لقمان کے دل میں محبت کی کوئی کرن پھوٹے گی۔ پھر بھی اس نے موہوم سی امید کے سہارے پندرہ منٹ انتظار کیا لیکن اسے نہ آنا تھا نہ آیا اور شاید لقمان کی جگہ وہ خود ہوتی تو یہی کچھ کرتی۔ صبح لقمان نے اماں سے مایوس ہو کے کوئی گھنٹہ بھر اس کی منت کی تھی سو روپے کے لیے، لیکن اسے غصہ چڑھا ہوا تھا۔ وہ کل اسے بتائے بغیر اس کا ہار کر کا نیا پین لے گیا تھا اور حسب روایت گم کر آیا تھا۔ اسے رات ڈھونڈنے پر خبر ہوئی اور وہ لڑکے سوئے تھے پھر صبح صبح لقمان کا نیا مطالبہ کہ اس سے پیسوں کی واپسی کی کوئی خاص توقع بھی نہیں رکھی جا سکتی اگر عمیرہ باجی ہوتیں تو اسے اتنی منت کی ضرورت پیش نہ آتی۔ وہ تھوڑی سی پس و پیش کے بعد اسے مطلوبہ رقم یا اس سے آدھی دے دیا کرتی تھیں مگر وہ بوا کے ساتھ کوئی ہفتہ بھر سے چھوٹی پھپھو کے پاس سرگودھا گئی ہوئی تھیں۔

اندھیرا مزید بڑھ گیا تھا۔

تب اس نے عنیزہ کے بھائی سے رکشہ منگوایا۔ عنیزہ اس کے ساتھ رکشے میں بیٹھ کر گھر تک چھوڑنے آئی۔ ساتھ میں موٹر سائیکل پر اس کا بھائی بھی آیا اور بعد میں عنیزہ بھائی کے ساتھ واپس ہو گئی۔

عنیزہ کو دیکھ کر اماں نے ناراضگی کا پروگرام کینسل کر دیا اور زنیرہ نے سکون کا سانس لیا۔ مسلسل باتیں کر کر کے اس کے سر میں درد شروع ہو گیا تھا اور اب وہ اماں کا نصیحتی لیکچر سننے کے موڈ میں نہیں تھی۔

"میں نے سالن بنا دیا ہے۔ حنا نے آٹا گوندھ کر رکھ چھوڑا ہے۔ تم روٹی بنا دو سب آنے والے ہوں گے۔"

"جی اچھا!" وہ تابعداری سے کہہ کر کمرے میں آ گئی۔

"حنا!"

"ہوں۔" حنا نے پڑھائی میں غرق ہونے کا مظاہرہ کرنے کے لیے سر اٹھائے بغیر جواب دیا۔

"میں بہت تھک گئی ہوں۔ تم روٹی پکا دو آج۔"

"میرا صبح انگلش کا ٹیسٹ ہے۔ مجھے تیاری کرنی ہے۔"

"ٹھہر کے پڑھ لینا۔ آدھا گھنٹہ لگے گا صرف۔" اس نے خوشامد کی۔

"سوری۔ آپ خود پکا لیں۔" حنا نے نو لفٹ کا بورڈ دکھایا اور وہ بڑبڑاتی ہوئی کچن میں آ گئی۔ اسی وقت باہر بائیک کی آواز آئی اور چولہے پر توا رکھتے ہوئے زنیرہ کا بی پی شوٹ کرنے لگا۔

"جھوٹا مکار!"

وہ اسے کچن میں دیکھ چکا تھا اس لیے تھوڑی دیر بعد وہیں آن پہنچا۔

"آ گئیں تم۔ میں لینے گیا تھا تمہیں۔"

"ایک نمبر کے جھوٹے ہو تم۔ صاف انکار کر دیا تھا تم نے آنے سے۔ پیٹرول نہیں ہے بائیک میں۔" اس نے لقمان کی نقل اتاری۔ "اب کیا زمین کھود کر نکالا ہے۔"

"تمہاری خاطر ہی اتنی دور سے پیٹرول ڈلوانے گیا تھا۔" لقمان نے ڈھٹائی سے دانت نکالے۔ "چلو حساب برابر ہوا۔"

وہ پلیٹ میں سالن نکال کر روٹی اترنے کا انتظار کرنے لگا۔

ایک کے بعد دوسری اور تیسری کے بعد چوتھی روٹی کھا کے جب اس نے پانچویں روٹی پر نظر ڈالی تو

زنیرہ کا پیمانہ صبر لبریز ہو گیا۔

"اگر اب تم نے روٹی کو بھوکی نظر سے دیکھا تو میں یہ گرم چمٹا تمہارے ہاتھ پر دے ماروں گی۔"

اور کچن میں داخل ہوتی اماں نے ایک کڑی نظر اس پر ڈالی۔

"چار بندوں کی روٹی پکانا پڑ گئی تو یہ حال ہے، اگر بھرا پرا سسرال مل گیا تو کیا کرو گی۔"

"تندور لگا لوں گی۔" وہ بڑبڑائی۔

"اماں! مجھے بھوک لگی ہے۔" لقمان نے زمانہ بھر کی فاقہ مستی چہرے پر طاری کر لی۔

"اماں! یہ چار روٹیاں کھا چکا ہے۔"

"نظر نہ لگاؤ بچے کو۔" اماں نے خفگی سے ٹوکا۔

"نظر لگنے کو اس میں ہے کیا؟ تین سو پچیس ہڈیوں کا ڈھانچا۔ پتا نہیں اتنا کھا کھا کر جاتا کہاں ہے۔ جسم پر بوٹی نہیں ملتی۔"

"اے بی بی ہٹو تم، میں خود پکا لوں گی۔ ایسا پکایا ہوا تن کو نہیں لگتا۔"

"پہلے ہی پکا لینی تھی۔" وہ بڑبڑاتی پھر رفتار اور برنر تیز کر دیے۔

❋ ❋ ❋ ❋

وہ ان دنوں بی۔ اے کا امتحان دے کر فارغ تھی۔ جب اچانک عمیرہ باجی کی شادی کا غوغا اٹھا اور دیکھتے ہی دیکھتے ان کی شادی کی تاریخ مقرر کر دی گئی۔ بس پھر کیا تھا۔ اس کے ہاتھ فارغ دنوں کا دلچسپ مشغلہ آ گیا۔ خاص کر لڑکی ہونے کے ناتے سے زنیرہ جو گھر میں قید ہو کر رہ گئی تھی، بہت ایکسائٹڈ تھی بواسطہ رضا نے عمیرہ آپی کو ان کی دوست کی شادی میں دیکھا تھا۔ انہیں وہ اس قدر اچھی لگی کہ اگلے ہی ہفتے گاؤں سے اپنے والدین کو لے کر آ گئے اور تب تک دم نہ لیا جب تک ہاں کروا کے انگوٹھی نہ پہنا دی۔

عمیرہ باجی کی شادی کو اس نے بہت انجوائے کیا اور بھاگ بھاگ کر گھر کے اور باہر کے کاموں میں حصہ لیا۔ حالانکہ وہ سدا کی کام چور تھی مگر اب گھر کی ذمہ داری سنبھالنے لگی تھی کہ عمیرہ کے بعد اسے ان کے عہدے پر براجمان ہونا تھا۔ لقمان اور حنا پر رعب ڈالنا تھا۔ اماں اور بوا کی چہیتی بننا تھا مگر اسے اپنا یہ خواب شرمندۂ تعبیر ہوتا نظر نہ آیا۔ نعمان بھائی ان سے بڑے تھے اور خاصا رعب رکھتے تھے۔ لقمان اس کے رعب میں آنے کے لیے تیار نہیں تھا۔ حنا اس سے دو سال چھوٹی تھی۔ مگر بلا کی تیز تھی یا تو اپنے کمرے میں بند پڑھتی رہتی تھی یا اس کے بے جا رعب سے بچنے کے لیے لقمان سے گٹھ جوڑ کر لیتی۔ اماں کو کچن سے کوئی خاص لگاؤ نہیں تھا اور بوا بھی جیسے منتظر تھیں کہ کب عمیرہ اپنے گھر کی ہو اور وہ بیمار پڑ کر کچن کی بھاری ذمہ داری اس کے ناتواں کندھوں پر ڈال دیں۔ پھر یوں ہوا کہ بوا کی بیماری زور پکڑنے لگی۔ ابا نے ان کے علاج پر روپیہ خرچ کرنے اور گھر والوں نے ان کی خدمت کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی مگر بوا جتنی عمر لکھوا کر لائی تھیں وہ گزار چکی تھی ان سب نے اور خاص کر ابا نے ان کی موت کا بہت صدمہ لیا۔ کافی عرصہ تک اداس اور چپ رہے لیکن پھر زندگی اور کاروبار کی مصروفیات نے انہیں اپنی طرف متوجہ کر لیا اور آہستہ آہستہ سب کچھ روٹین پر آ گیا کہ دنیا اسی کا نام ہے۔

◆ ◆ ◆ ◆

"زنیرہ کہاں ہے؟" نعمان نے فون بند کر کے ادھر ادھر نظریں دوڑائیں پھر پاس بیٹھے لقمان سے پوچھا جس کے کان ان کی گفتگو میں اپنا اور زنیرہ کا نام سن کر پہلے ہی کھڑے ہو چکے تھے۔

"وہ سامنے نئے ہمسائے آئے ہیں۔ ان کی طرف گئی ہے۔ خیر سگالی کے مظاہرے کے طور پر۔"

"وہ آئے تو اسے بتانا کہ وہ بی۔ اے میں فرسٹ کلاس پاس ہو گئی ہے۔" انہوں نے باہر جاتے جاتے اطلاع دی اور لقمان کے جسم میں گویا برقی رو دوڑ گئی۔

"اے حنا! تم نے سنا۔" اس نے ہاتھ میں کتاب پکڑے سامنے سے آتی حنا کو آواز دی۔

"میں نے نہیں سنا اور نہ سننے کا موڈ ہے۔" حنا نے جواب دے کر پھر من مگن کر کے پڑھنا شروع کر دیا۔

"زنیرہ فرسٹ کلاس پاس ہو گئی ہے۔"

"اچھا۔ آپ کو کس نے بتایا؟" اس نے کتاب

بند کردی۔

"ابھی تھوڑی دیر پہلے نعمان بھائی کو کسی نے فون پر اطلاع دی ہے۔ انہوں نے شاید کسی کو رول نمبر دے رکھا تھا۔"

"میں زنیو باجی کو بتاتی ہوں۔" وہ اس کے کمرے کی طرف بھاگی۔

"وہ سامنے والوں کے ہاں گئی ہے۔" لقمان کے بتانے پر حنا نے بریک لگا دیے۔

"اس کی انگلش میں کمپارٹ آئی ہے۔" لقمان کی بات پر حنا نے شک زدہ نظروں سے دیکھا۔

"ابھی تو کہہ رہے تھے فرسٹ ڈویژن میں پاس ہوئی ہے؟۔"

"ہاں، وہ تو سچ ہے مگر ہم زنیو کو تنگ کریں گے۔"

"مجھے تو بتائیں۔ زنیو باجی کے ناخن بہت تیز ہیں۔"

"ڈرپوک!"

"آپ کو ہمیشہ رنگ میں بھنگ ڈالنے کی ضرورت کیوں پڑتی ہے۔"

"کیا مطلب میں فسادی ہوں؟۔"

"آپ میں کیا کہوں، چھوٹی ہوں۔ ادب لحاظ بھی رکھنا پڑتا ہے۔" حنا کی بات پر لقمان کو پتنگے لگ گئے۔

"سب پتا ہے، جتنی با ادب یا ملاحظہ ہو، لیکن یاد رکھو اگر تم نے زنیو کو بتایا تو پھر میں تم سے پوچھوں گا۔"

"کیا کرلیں گے آپ؟۔" وہ اس کی دھمکی پر اکڑ گئی۔

"یہ جو تمہیں روز مجھ سے کام پڑتے ہیں۔ فلاں دوست کی طرف جانا ہے، چھوڑ آؤ۔ ہر دوسرے دن تمہارے کالج کی وین خراب ہوجاتی ہے پھر میرے پیچھے پھرتی ہو۔"

"میری بلا سے جو مرضی کریں۔" حنا نے فوراً پسپائی اختیار کرلی۔

اسی وقت زنیو آگئی۔

"تم کہاں کی سیریں کرتی پھر رہی ہو؟۔" لقمان نے پوچھا (حالانکہ اچھی طرح جانتا تھا)

"یہ سامنے اتنے اچھے پڑوسی آئے ہیں۔ ایک لڑکی بالکل میری ہم عمر، میری طرح اسمارٹ اور خوبصورت ہے۔ اس نے بھی میری طرح بی۔ اے کے پیپر زدے رکھے ہیں۔"

"تو کیا اس کی بھی کمپارٹ آگئی ہے تمہاری طرح۔"

"کیا مطلب؟۔"

"مطلب یہ بی بی! کہ ابھی تھوڑی دیر پہلے نعمان بھائی نے بتایا ہے کہ تمہاری انگلش میں کمپارٹ ہے۔"

"کیا۔۔۔؟" اس پر یہ خبر بجلی بن کر گری تھی مگر میرا انگلش کا پیپر تو بہت اچھا ہوا تھا۔"

"سب یہی کہتے ہیں مگر تم ہمت نہ ہارو پھر سے امتحان کی تیاری پکڑو۔ ابھی ابا کا فون آیا تھا۔ سخت غصے میں تھے۔"

"نہیں کس نے بتایا؟۔" زنیو کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔

"ایسی باتیں چھپی رہ سکتی ہیں۔ کہہ رہے تھے اس لڑکی نے خاندان میں ناک کٹوادی ہے۔ میں بڑے بھیا سے اس کے رشتے کی بات کرتا ہوں۔ اگر وہ اسے اپنی بہو بنانے پر راضی نہیں ہوتے تو کسی اور۔۔۔" اور لقمان کی بات مکمل ہونے سے پہلے ہی اس نے دھواں دھار رونا شروع کردیا۔ اپنی بات کے اتنے زبردست ری ایکشن پر اس نے خود کو داد دی، جبکہ حنا دل ہی دل میں افسوس کرتی ہوئی اپنے کمرے کو کھسک لی۔ لقمان سے ٹکر لے کر وہ خود کھائے میں رہتی تھی۔

"اس میں رونے کی کیا بات ہے۔ بی۔ اے نہ ہوا بیاہ ہوگیا۔ فائدہ ہی فائدہ۔" وہ اسے تسلی دیتا باہر نکل گیا۔

اماں جو کچن میں چائے بنانے جارہی تھیں اس کی ہچکیوں کی آواز پر رک گئیں۔

"اے زنیو بچی! کیا ہوا ہے؟۔"

اس نے کوئی جواب نہ دیا مزید زور و شور سے رونے لگی۔

"اے بچی! میرا دل دہلا جارہا ہے۔ کیا ہوا ہے؟۔" اماں نے اس کا کندھا پکڑ کر گہری تشویش سے پوچھا اور

وہ اماں سے لپٹ گئی۔

"اماں میں انگریزی کے پرچے میں رہ گئی ہوں۔" اماں نے سینے میں رکا ہوا سانس خارج کیا۔

"میں تو ڈر گئی تھی کہ پتا نہیں کیا ہوگیا ہے۔"

"اماں! ابا بہت سخت خفا ہیں مجھ سے۔ وہ تایا ابا سے بات کرنے جارہے ہیں۔"

"کیسی بات؟۔" اماں کچھ نہ سمجھ کر بولیں۔

"السلام علیکم! کیا ہو رہا ہے؟۔" اس سے پہلے کہ وہ کچھ بتاتی۔ سلام کی آواز پر دونوں چونک کر پلٹیں۔ تایا ابا اور تائی امی خراماں خراماں چلے آرہے تھے۔

زنیو کی رہی سہی ہمت جواب دے گئی اور وہ روتی ہوئی اپنے کمرے میں بھاگ آئی۔

"زنیو کو کیا ہوا ہے؟۔" ان کے لیے یہ رد عمل حیران کن تھا۔

"لقمان سے لڑائی ہوگئی ہے۔ جڑواں ہیں نا۔ بس کھٹ پٹ ہوتی رہتی ہے۔ وہ کچھ کہہ دیتا ہے تو رونا شروع کردیتی ہے۔" اماں نے بات بنائی کہ جیٹھ اور جیٹھانی کو اصل بات بتا کر پورے خاندان میں تشہیر نہیں کرنی تھی۔

"کہاں ہے لقمان؟ اس سے کہیں کہ اب ہماری بیٹی کو تنگ کرنا چھوڑ دے۔" تائی امی معنی خیزی سے مسکراتے ہوئے بولیں۔

♥ ♡ ♡ ♥

سلطان احمد، (تایا ابا) سبحان احمد کو دفتر فون کرکے اپنی آمد کی اطلاع دے کر گھر سے چلے تھے۔ اس لیے سبحان احمد شام کو جلدی آگئے۔ اماں کو جیٹھ اور جیٹھانی کا اکٹھے آنا اور خاص کر ساجدہ کا اتنی لگاوٹ سے باتیں کرنا کچھ کھٹکا۔ ساجدہ تو بڑی کھری کھری سنانے والوں میں سے تھیں اور جب سبحان احمد جلدی آگئے اور انہیں پتا چلا کہ وہ انہیں آفس فون کرکے گھر سے چلے تھے تو ان کا شک یقین کا روپ دھارنے لگا۔

"ہوں!" تب ہی زنیو، تایا ابا کہہ کر رو رہی تھی۔

"اے حنا۔!" اماں خاصے برے موڈ میں حنا کے کمرے میں داخل ہوئی۔ "چل اٹھ کے تایا اور تائی کے لیے چائے بنا!۔"

"جی اچھا!" وہ اماں کے تیور دیکھ کر کتاب بند کرکے سعادت مندی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"اور سن رات کے کھانے کا انتظام بھی تجھے کرنا ہے۔"

"اماں! زنیو باجی سے کہہ دیں۔ صبح میرا ٹیسٹ ہے۔ میں نے پڑھنا۔۔۔"

"بھاڑ میں گئی تمہاری پڑھائی۔ ہر وقت کتاب چاٹتی رہتی ہو۔ چلو جاؤ۔"

"زنیو کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔" اماں تاؤ کھاتی چلی گئیں اور حنا کو خود پر مزید تاؤ آنے لگا کہ نہ وہ لقمان کے بچے کا ساتھ دیتی اور نہ یہ مصیبت پڑتی۔

لقمان کو پورا یقین تھا کہ زنیو ہمیشہ کی طرح بی۔ اے میں بھی شاندار نمبروں سے پاس ہوگی۔ اس کی ذہانت پر اسے کوئی شبہ نہ تھا البتہ عقل کے بارے میں سب کی طرح وہ بھی خاصا مشکوک تھا۔ پچھلے دو ماہ سے وہ پاکٹ منی سے خاصا بڑا حصہ پس انداز کررہا تھا کہ وہ اپنی اس پیاری لڑاکا بہن کو اس کی کامیابی پر اچھا سا گفٹ دینا چاہتا تھا۔ یہ اور بات کہ جتنی رقم اس نے پس انداز کی تھی۔ اس سے زیادہ وہ ادھار کے نام پر زنیو، حنا اور اماں وغیرہ سے وصول کرچکا تھا۔

زنیو کو روتا چھوڑ کر اس نے سیدھا بازار کا رخ کیا۔ کافی ڈھونڈ ڈھانڈ کے بعد اس نے چمکتے نگینوں کا خوبصورت سیٹ پیک کروایا۔ وش کارڈ خریدا اور جب مسکراتا ہوا گھر میں داخل ہوا تو اسے گھر کی فضا میں گڑبڑ کا احساس ہوا۔ ابا کے کمرے سے باتوں کی آواز آرہی تھی۔ کچن میں جھانکا تو حنا کھٹا کھٹ پتیلیوں میں چمچے چلا رہی تھی۔

"یہ تم کھانا پکا رہی ہو یا جنگ لڑ رہی ہو؟۔"

جواباً" حنا نے ایک کھولتی ہوئی نظر اس پر ڈالی اور کام میں مصروف ہوگئی۔

"خوشبو تو اچھی آرہی ہے۔ اب اندر کا حال خدا جانے۔ ویسے یہ دو دگجیاں کس خوشی میں چڑھا رکھی ہیں اور زنیو کہاں ہے؟۔"

"اپنے کمرے میں۔" مختصر سا جواب آیا۔

"اندر کون آیا ہے؟۔"

"تایا ابا اور تائی امی۔"

"دونوں اکٹھے۔ کیوں؟۔"

"تمہارے ڈرامے میں حقیقت کا رنگ بھرنے کے لیے۔"

"میں سمجھا نہیں۔"

وہ تو یہ والا مذاق کر کے بھول چکا تھا۔

"میں چائے دینے گئی تو اندر زنیبہ اور نعمان بھائی کے رشتے کی بات چھڑی ہوئی تھی۔ میں تو چائے سرو کرنے کے بہانے رکنے والی تھی مگر اماں نے باہر بھیج دیا۔" اور لقمان سر پکڑ کر رہ گیا۔

"زنیبہ کا رشتہ اور تایا ابا جیسے تیز مزاج گھرانے میں۔ یہ فضول سا مذاق حقیقت کا روپ دھار لے گا اور وہ بھی اتنی جلدی۔ اس نے تو تصور بھی نہ کیا تھا۔ تب ہی زنیبہ لائٹ آف کر کے اپنے کمرے میں پڑی ہے۔ یقیناً" رو رہی ہوگی۔

وہ تیزی سے اس کے کمرے کی طرف بڑھا۔ دروازہ کھول کر لائٹ آن کی۔ وہ تکیے پر سر رکھے رو رہی تھی۔ لقمان کو افسوس ہونے لگا۔

"کانگریچولیشن زنیبہ سبحان احمد!" لقمان نے لائٹ آن کر دی۔

"آپ نے بی۔ اے فرسٹ کلاس میں پاس کر لیا ہے۔"

زنیبہ نے آنسو پونچھتے ہوئے حیرت سے پہلے اسے اور پھر اس کے ہاتھ میں گفٹ پیک کو دیکھا۔

"وہ کیا رٹ والی بات تو میں یونہی مذاق میں کر رہا تھا تمہارا حوصلہ اور خود پر یقین دیکھنے کے لیے۔ بھئی تم تو بہت کم ہمت ہو۔"

"حکیم لقمان!" وہ دھاڑتی ہوئی اٹھی اور آستینیں چڑھانے لگی۔

"دیکھو' میں تمہارے لیے کتنا مہنگا تحفہ لایا ہوں۔" لقمان فوراً" پیچھے ہٹ گیا۔

"میز پر رکھ دو۔ بعد میں دیکھ لوں گی۔" وہ اس پر جھپٹنے کو پر تولنے لگی۔

"میری بات تو سنو۔"

"اگر آج تم میرے ہاتھوں سے زندہ بچ گئے تو سن لوں گی۔" اس نے پہلا حملہ کیا اور اگر وہ جھکائی دے کر ایک طرف نہ ہو جاتا تو اس کا بے داغ چہرہ ناخنوں سے داغ دار ہو جاتا۔ یہ بات نہیں تھی کہ وہ اس سے زور آور تھی۔ وہ اسے قابو میں نہیں کر سکتا تھا یا ڈرتا تھا۔ بس اسے مزا آتا تھا اس سے جنگ کر کے۔ کبھی کبھی وہ جان بوجھ کر اس کا نشانہ بن جاتا' مبادا روز روز کی ناکامیوں سے دل برداشتہ ہو کر لڑنا نہ چھوڑ دے۔ وہ پینترا بدل کر پھر حملے کو تیار ہوتی۔

"یہ کیا ہو رہا ہے۔" نعمان بھائی کی رعب دار آواز پر دونوں یوں رک گئے جیسے کسی نے ریموٹ سے اسٹل کا بٹن پش کر دیا ہو۔

"اتنے بڑے ہو کر اس طرح لڑنا تمہیں زیب دیتا ہے۔" انہوں نے ڈپٹا۔

"ہم لڑ تو نہیں رہے' کھیل رہے تھے۔" لقمان نے فوراً" عذر تراشا اور اس کا کہنا غلط بھی نہیں تھا۔ اس کے لیے وہ دلچسپ کھیل ہی تھا بقول علامہ اقبال۔

ع جھپٹنا پلٹنا پلٹ کر جھپٹنا

لڑنے کا بالکل یہی انداز تھا ان دونوں کا۔

"یہ کھیل رہے تھے تم لوگ؟۔" انہوں نے باری باری دونوں کو غصے سے گھورا۔

"جی لقمان نے کہا تھا۔ آؤ لڑائی لڑائی کھیلیں۔"

"جھوٹی۔ میں نے کب کہا تھا۔ میں اندر آیا تو تم خود شروع ہو گئی تھیں۔"

"شروعات کس نے کی تھیں اور یہ جھوٹی کس کھاتے میں کہا ہے' جیسے خود تو بڑے سچ کے علمبردار ہو۔"

"اسٹاپ اٹ!" اس سے پہلے کہ وہ پھر سے لڑائی لڑائی کھیلنا شروع کر دیتے نعمان نے انہیں روک دیا۔

"یہ تمہارے پاس ہونے کی مٹھائی اور انعام ہے۔" نعمان نے مٹھائی کا ڈبہ اور پانچ سو کا نوٹ انہیں تھمایا۔ "ابا کے کمرے میں بھی لے جاؤ اور سب کا منہ میٹھا کراؤ اور خبردار جو میں نے اب تم لوگوں کے لڑنے کی آواز سنی۔"

انہوں نے جاتے جاتے وارننگ دی۔

"واؤ!" زنیبہ نے نوٹ کو آنکھوں سے لگا کر مٹھی

میں دبا لیا کہ کہیں لقمان حملہ نہ کر دے پھر اس کے تحفے کی طرف بڑھی۔

"لقمان! تم کتنے اچھے ہو۔"

"اتنے پیسے خرچ کرنے کے بعد تمہیں پتا چلا ہے۔"

"ہائے! کتنا خوبصورت ہے۔" وہ خوشی سے اپنے ساتھ لگا کر آئینے میں دیکھنے لگی۔

"یہ تم اپنی منگنی کے دن پہننا۔" لقمان کے کہنے پر وہ حیران ہوئی۔

"کون سی منگنی؟۔"

"منگنی کی قسمیں تو ہوتی نہیں' منگنی تو بس منگنی ہوتی ہے چاہے اچھی ہو یا بری۔ یہ جو تایا ابا اور تائی امی آئے ہیں۔ حنا کی اطلاع کے مطابق آپ کے رشتے کے سلسلے میں آئے ہیں، عون بھائی کے ساتھ۔ اور سنا ہے کہ نعمان بھائی کی نوین کے لیے بات چل رہی ہے۔ ویسے میں نے تو انہیں سلام تک نہیں کیا کہ کہیں اندر جاؤں تو مجھے دیکھ کر نعمان بھائی کا چانس نہ مارا جائے۔ خیر اب تک تو فائنل مذاکرات ہو چکے ہوں گے اب تمہارے ساتھ چلتا ہوں مٹھائی کے کے۔ دونوں باتوں کے لیے منہ میٹھا ہو جائے گا۔"

لقمان اسے تنگ کر کے مزا لینے لگا۔

"میں نہیں جا رہی اندر۔" وہ تنک کر وہیں بیٹھ گئی۔

"چلو' میں لے جاتا ہوں۔ آخر بھائی ہی بہن کے کام آتے ہیں۔" اور اس کی اس پیشکش پر زنیبہ کی آنکھیں چمک اٹھیں۔

"اور سنو۔ تم اس رشتے سے انکار بھی کر آنا۔"

"مٹھائی کھلا کے انکار کرنا یہ کون سا طریقہ ہے۔؟"

"آخر بھائی ہوتے کس لیے ہیں؟۔"

"معاف کرنا بٹنے کے لیے نہیں ہوتے۔"

"تم میرے لیے اتنا سا کام نہیں کر سکتے؟۔" وہ روہانسی ہو گئی۔

"مٹھائی لے کے تو جا رہا ہوں۔" لقمان نے ڈبہ اٹھایا اور یہ کہہ کر نکل گیا "کمرے سے نکلو ورنہ سب سمجھیں گے کہ تم شرما رہی ہو اور تمہیں یہ رشتہ منظور ہے۔ بس اسی غلط فہمی میں ہاں ہو جائے گی۔"

لقمان کی بات اس کے دل کو لگی اور وہ بالوں کو پونی میں جکڑ کر منہ دھونے باتھ روم میں گھس گئی۔

♥ ♡ ♡ ♥

رات بارہ بجے تک اماں' ابا اور نعمان بھائی کی میٹنگ چلی۔ زنیبہ' لقمان اور حنا نے دروازے اور کھڑکیوں سے چپک کر ٹانگیں شل ہونے کے باوجود سننے کی حد تک اس میٹنگ میں حصہ لیا۔ نعمان بھائی نے نوین سے شادی کرنے سے صاف انکار کر دیا کہ وہ کہیں اور انٹرسٹڈ تھے اور زنیبہ کی عون کے ساتھ نسبت کی بھی انہوں نے سخت مخالفت کی۔ عون کے لیے اماں بھی کسی صورت راضی نہیں تھیں اور نعمان جب اپنی پسند بتا چکا تھا تو اس کے رشتے کی بات کیا کرتیں۔

البتہ ابا کا معاملہ مختلف تھا۔ وہ اپنے بڑے بھائی اور بھابھی کو کسی صورت ناراض نہیں کرنا چاہتے تھے۔ کئی بار وہ غصے میں بھی آئے اور آخر کار یہ کہہ کر میٹنگ برخاست کر دی کہ "تم لوگ صبح تک سوچ لو بہرحال اس گھر میں وہی ہوگا جو میں چاہوں گا۔"

لیکن صبح نعمان بھائی تیار ہو کر آفس چلے گئے۔ ناشتے کی میز پر آئے ہی نہیں۔ حنا ویسے ہی افراتفری میں ناشتہ کر کے جاتی تھی اور وہ آج کل فارغ ہونے کی وجہ سے دیر سے اٹھتی تھی۔ لقمان البتہ آج جلدی اٹھ گیا تھا کہ اسے صبح کے فائنل مذاکرات کی بے چینی نے سونے نہیں دیا تھا۔ اس لیے ابا کے سامنے ناشتے کی میز پر بیٹھ گیا مگر یہ کیا! ڈائننگ ٹیبل بھائیں بھائیں کر رہی تھی۔ اماں انہیں ناشتہ دے کر کام کرنے کے بہانے کچن میں چلی گئی تھیں۔ اور اب وہ بیٹھا بڑی بدمزگی کے عالم میں ناشتہ حلق سے اتار رہا تھا کہ ابا کے سوال نے چونکا دیا۔

"عون کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟۔"

"ابا! وہ کچھ ٹیڑھے مزاج کا ہے۔ یوں کہہ لیں اکھڑ سا۔ کسی سے سیدھے منہ بات ہی نہیں کرتا۔ دوستی کا حلقہ بھی بس ایسا سا ہی ہے۔"

"اور نوین کیسی لڑکی ہے؟۔"

"وہ عون سے بہتر ہے مگر غصے کی بہت تیز ہے۔" لقمان ابا کے رائے لینے پر خود کو اہم سمجھ کر ایکٹو ہو کر بیٹھ گیا۔

"ہوں!" ابا کسی گہری سوچ میں کھو گئے۔

"آپ کیوں پوچھ رہے ہیں ابا!"

"رات تمہارے تایا نعمان اور زنیو کے لیے نوین اور عون کے رشتے کی بات کر رہے تھے۔ زنیو کے لیے تو میں بھی راضی نہیں ہوں لیکن نوین کے لیے نعمان نہیں مان رہا۔ وہ کہیں اور انٹرسٹڈ ہے۔ اب چھڑے چھانٹ انکار سے رشتوں کی ڈور ٹوٹنے کا خدشہ ہے۔ میں سوچ رہا ہوں کہ نوین کو تمہارے لیے مانگ لوں۔"

"جی!" نوالہ بری طرح اس کے حلق میں پھنس گیا۔

"ابا! یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔ نوین تو....."

"برخوردار! لڑکیاں شادی سے پہلے ماں باپ کے لاڈ پیار کی وجہ سے مزاج کی تیز ہی ہوتی ہیں۔" ابا سمجھے، شاید نوین کے غصے سے گھبرا گیا ہے۔ جبکہ لقمان اس وقت کو کوسنے لگا جب وہ باتیں سننے کے چکر میں ناشتے کی میز پر آکر بیٹھا تھا۔

"ابا! نوین مجھ سے بڑی ہے۔"

"اچھا!" ابا حیرت سے چونکے۔ "لگتی تو حنا جتنی ہے۔ (مبالغہ آرائی کی حد تھی) لیکن خیر سال چھ مہینے کی زیادتی سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ تم اپنی اماں کو بھیجو، میں اسے بتاتا ہوں۔ کمال ہے۔ یہ بات رات میرے ذہن میں کیوں نہیں آئی؟۔"

"کاش! اب بھی نہ آتی۔" لقمان دل ہی دل میں جلتا کڑھتا اٹھ کھڑا ہوا اماں کو ابا کا بلاوا دے کر وہ گھر میں ٹکا نہیں۔

✈ ✈ ✈ ✈

اسی دن دوپہر کے دو بجے عمیرہ باجی، باسط بھائی کے ساتھ اچانک آگئیں تو گھر پر صبح سے چھائی خاموشی ایک دم ہنگامے میں بدل گئی۔ اس بار عمیرہ آپی کچھ زیادہ ہی کھلی کھلی لگ رہی تھیں اور باسط بھائی بھی کچھ زیادہ شریر ہو رہے تھے۔ وجہ شام تک اسے کیا سب کو پتا چل گئی۔ عمیرہ باجی ماں بننے کے مراحل میں داخل ہو چکی تھیں۔ پتا نہیں عمیرہ باجی شادی کے بعد اتنی بولڈ کیوں ہو گئی تھیں کہ انہیں زنیو، لقمان اور حنا کے سامنے یہ بات بتاتے ہوئے ذرا بھی جھجک محسوس نہیں ہوئی تھی۔ حالانکہ شادی سے پہلے وہ بڑی لیے دیئے رہنے والی شرمیلی سی لڑکی ہوا کرتی تھیں۔ جن کے سامنے باسط بھائی کا نام لیا جاتا تو کانوں تک سرخ ہو جاتی تھیں۔

اس کے پاس ہونے کی خوشی میں آنے والی مٹھائی عمیرہ آپی کی خوشی میں دوبارہ کھائی گئی۔ اس کے علاوہ عمیرہ باجی رات کا ڈنر بھی دے رہی تھیں۔ لیکن اماں نے اسے کل پر ٹال دیا۔ کہ ایک تو بیٹی اتنے عرصے بعد آئی تھی۔ اس لیے کھانا گھر پر ان کی طرف سے ہونا چاہیے تھا۔ دوسرے رشتوں کی وجہ سے پھیلی بدمزگی دور ہو جائے۔ اماں نے انہیں ساری بات بتا کر سبحان احمد کو کنوینس کرنے کی مہم پر لگا دیا۔

سب سے بری لقمان کے ساتھ ہوئی تھی جو باتیں سننے کے چکر میں ابا کی نظروں کا نشانہ بن گیا تھا۔

باسط رضا کا خیال تھا کہ یہ کوئی ایسا مسئلہ نہیں ہے۔ اس لیے اماں کو بڑے اعتماد سے تسلی دی، لیکن رات کو ان کا سارا اعتماد ہوا ہو گیا۔ ابا اپنے فیصلے پر قائم تھے۔

"مگر ابا! نوین ہمارے ماحول میں نہیں بس سکے گی۔ وہ بہت اونچے ذہن اور تیز مزاج کی ہے پھر لقمان سے پورے ڈھائی سال بڑی ہے۔"

مگر ابا بولے۔

"ہم اگر ماں باپ، بہن بھائیوں جیسا سلوک کریں گے تو کیسے نہیں بس سکے گی۔ آخر اپنے ماں باپ کے گھر میں بھی تو ٹھیک ٹھاک رہتی ہے اور ڈھائی سال کا فرق کوئی معنی نہیں رکھتا۔ مرد ہمیشہ بڑا لگتا ہے۔"

اب لقمان جلے پیر کی بلی کی طرح پھر رہا تھا۔

"آپ سب اچھی طرح سن لیں، اگر ابا نے میرے ساتھ زیادتی کی تو میں یہ گھر چھوڑ کر چلا جاؤں گا یا جان دے دوں گا۔"

"دوسری تجویز زیادہ معقول ہے۔" زنیو نے غیر سنجیدہ سنجیدگی کا مظاہرہ کیا۔

"یہ سب تمہاری وجہ سے ہے۔" لقمان نے اسے گھورا۔

"کھسیانی بلی کھمبا نوچے۔" اس کے پیٹ میں ہنسی کے بگولے اٹھنے لگے۔

"میں تمہیں جان سے مار دوں گا سمجھیں۔" وہ سچ مچ غضب ناک ہو گیا۔

"ہونہہ!" وہ بھلا کیوں دبتی۔

"کول ڈاؤن لقمان!" باسط بھائی نے مداخلت کی۔ "سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

"باسط بھائی! آپ ابا کو نہیں جانتے۔"

"پریشان نہ ہو۔ میں انہیں کنوینس کر لوں گا۔"

ابا کو کنوینس نہ ہو سکے البتہ نعمان بھائی نے لقمان کا فیوچر داؤ پر لگنے سے بچا لیا۔ ابا کسی صورت لقمان کے پرپوزل سے ہٹنے کو تیار نہیں تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ ان کے فرمانبردار لائق فائق بچے نے پہلی بار کوئی خواہش کی ہے۔ وہ ضرور پوری ہونی چاہیے۔ اور بیٹی کے لیے وہ ویسے ہی محتاط تھے کہ عون کے طور طریقے ان کی اطلاع کے مطابق کچھ اچھے نہیں تھے۔

"یہ ظلم ہے۔ میں ابا کی سوتیلی اولاد ہوں کیا؟۔" لقمان نے گھر سر پر اٹھا لیا۔ صورت حال مزاح کی حد سے نکل چکی تھی۔ نعمان اپنی محبت سے دستبردار ہو گئے۔ انہوں نے جب ابا کے سامنے نوین کے رشتے کے لیے ہاں کر کے انہیں آمادہ کر لیا تو ان کی حالت اس بکرے جیسی لگ رہی تھی جسے زبردستی گھسیٹ کر قربان گاہ کی طرف لایا جا رہا ہو۔ زنیو سے ان کی یہ حالت دیکھی نہیں جا رہی تھی۔

"کیا میں اپنے بھائیوں کی خوشیوں کے لیے اپنی آرزوئیں اپنے خواب قربان نہیں کر سکتی۔ بہنیں تو بھائیوں کے لیے جان تک دے دیتی ہیں۔"

اماں نے سنا تو خوب ڈانٹ پلائی۔

"خبردار۔ جو آئندہ تم نے اس طرح کی بات منہ سے نکالی۔ تمہارے ابا کے سامنے روپیٹ کے جس طرح میں نے انہیں تمہارے سلسلے میں روکا ہے۔ وہ مجھے ہی پتا ہے۔"

"مگر یہ نعمان بھائی کے ساتھ زیادتی ہے۔ ان کی حالت دیکھیں، کتنی بری ہو رہی ہے۔"

"وہ لڑکا ہے، چند دن میں ٹھیک ہو جائے گا پھر وہ اس گھر نہیں جا رہا ان کی لڑکی آ رہی ہے اس گھر میں۔"

"مگر اماں!"

"میں تمہیں اپنے جیتے جی تو اس گھر میں بھیجوں گی نہیں۔ میرے مرنے کے بعد تمہارے ابا جو مرضی کرتے پھریں۔"

"اماں! آپ کیسی باتیں کر رہی ہیں۔" وہ اماں سے لپٹ کر رونے لگی۔

"تمہیں ان ہی آنسوؤں سے بچانے کے لیے تو میں نے زندگی میں پہلی بار تمہارے ابا سے اختلاف کیا ہے۔"

"اماں! آپ کو مجھ سے بہت محبت ہے۔"

"تو بھلا ماں اپنی بیٹی سے محبت نہیں کرے گی۔"

"تو پھر آپ ہمیشہ لقمان کی حمایت کیوں کرتی ہیں۔"

"میرے خیال میں تم چپ ہی رہو تو بہتر ہے ورنہ جو تمہاری حرکتیں ہیں وہ جان جلا کر رکھ دیتی ہیں۔"

"لقمان بھی تو ایسی ہی حرکتیں کرتا ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ بس آپ مجھے ہی غلط کہتی ہیں۔"

"وہ لڑکا ہے۔ حد کو بھی چھو لے گا تو معاشرے کے لیے قابل قبول رہے گا۔" اماں نے سمجھایا۔

"پتا نہیں۔ آپ کیسی ڈپلومیٹ باتیں کرتی ہیں۔" اس نے اماں کی گود میں منہ چھپا لیا۔

♥ ♡ ♡ ♥

رنگ بدلتا ہے رنگ آسماں کیسے کیسے

واقعی اماں کا کہنا ٹھیک تھا۔ جلد ہی نعمان بھائی کے چہرے کی رونق لوٹ آئی۔ ٹھیک تین ماہ بعد جب ان کی شادی ہو رہی تھی تو وہ بے انتہا خوش تھے۔ عمیرہ آپی کو گو کہ اس رشتے پر خوشی نہیں ہوئی تھی مگر بھائی کی شادی کی خوشی بہرحال بے حد تھی۔ طبیعت کی خرابی کے باوجود انہوں نے بھرپور حصہ لیا لیکن اسلام آباد واپسی سے پہلے نوین کو یہ جتانا نہ بھولیں کہ وہ

اس کے والدین کے کہنے پر صرف ابا کی مرضی سے بیاہ کر لائی گئی ہے ورنہ اس گھر کے مزاج اور ان لوگوں کے مزاج اور ماحول میں زمین آسمان کا فرق ہے۔

پتا نہیں اب نوین بھابھی نے یہ بات دل پر لے لی تھی اور اچھی بن گئی تھیں یا وہ ایسی تھیں ہی نہیں جیسی وہ سمجھتے تھے۔ جلد ہی وہ ان میں گھل مل گئیں اور اماں کے منع کرنے کے باوجود گھر کے کاموں میں حصہ لینے لگی تھیں۔ لیکن پھر بھی کبھی کبھی ان کا مزاج بہت سرد ہو جاتا تھا۔ زنیو نے محسوس کیا تھا خاص کر نعمان بھائی جب بہت دیر تک ابا، اماں کے پاس بیٹھے رہتے یا وہ، لقمان اور حنا مل کر کھیلتے ہنستے یا لڑائی کرتے تو ان کا رویہ عجیب کھنچا کھنچا سا ہو جاتا پھر ان کی سوئی اکثر زنیو پر اٹکنے لگی۔ اس کی شرارتوں اور اچھل کود پر انہیں اعتراض ہونے لگا۔

"بھئی۔ یہ تم لوگوں کا ہی حوصلہ ہے ورنہ ہمارے ہاں لڑکیوں کو اس قدر آزادی نہیں دی جاتی۔" وہ "ہمارے ہاں" پر زور دے کر جتاتیں۔

"کیا مطلب ہے آپ کا؟۔ ہمیں کون سی بے جا آزادی ملی ہے جس کا ہم ناجائز فائدہ اٹھا رہے ہیں۔" حنا کو ان کی بات سخت بری لگی جبکہ جس کے بارے میں کہا جا رہا تھا۔ وہ لاپروائی سے بیٹھی چینل بدلنے میں مصروف تھی۔

"میرا مطلب ہے، ہماری امی نے ہماری تربیت بالکل مشرقی انداز میں کی ہے۔" انہوں نے بات بنانے کی کوشش کی۔

"بغیر دوپٹے کے تو ہم بھی نہیں نکلتیں۔"

"میں گھر کی بات کر رہی ہوں۔"

"اپنے گھر کی چار دیواری میں انسان جو مرضی کرے اور اب تک آپ کو پتا تو چل گیا ہو گا کہ ہمارے گھر کا ماحول بہت دوستانہ ہے۔ لہجوں میں بے جا سختی اور تناؤ نہیں ہے جیسا کہ ہمارے اکثر قریبی رشتے داروں میں پایا جاتا ہے۔" حنا نے بڑی تسلی سے ان کی بات انہیں لوٹا دی۔

"بہر حال اس طرح کی لڑکیوں کے لیے سسرال میں ایڈجسٹمنٹ مشکل ہوتی ہے۔"

بھابھی کھسیا کر طنزیہ مسکراتی اٹھ گئیں اور حنا کو اس پر غصہ آنے لگا جسے ایک تو ان کی باتوں کی پروا نہیں تھی دوسرے اماں کو بتانے سے منع کر رہی تھی۔

❋ ❋ ❋ ❋

عمیرہ باجی کو اللہ نے چاند سا بیٹا دیا تو جیسے زندگی کی خوبصورتی میں مزید چار چاندوں کا اضافہ ہو گیا۔ عمیرہ باجی میکے آئی ہوئی تھیں اور اماں کے کہنے پر چالیس دن یہیں رکنے کا ارادہ تھا۔ باسط رضا کو جیسے ہفت اقلیم مل گیا تھا۔ پوتے کی خوش خبری سن کر ان کے والد بھی مدینہ منورہ سے آ گئے۔

"ہمارے بیٹے کا نام زنیو رکھے گی۔"

باسط بھائی نے کہہ کر اس کا ڈھیروں مان بڑھا دیا۔

"شوبان باسط!" اس نے جھٹ سے پہلے کا سوچا نام بتا دیا۔

"بہت خوبصورت نام ہے۔" دونوں میاں بیوی نے تعریف کی۔

"جی اور بڑا خاندانی بھی ہے۔ نون کا قافیہ دادا مرحوم کے زمانے سے چلا آ رہا ہے۔ جب سیکنڈ فرزند ارجمند ہو تو اس کا نام شوبان کی مناسبت سے لوبان رکھ دیجیے گا۔" لقمان کی بات پر باسط بھائی زور سے ہنسے۔

"تمہارے کان کھینچنے والے ہو رہے ہیں۔"

عمیرہ باجی جھینپ گئیں۔

"چھوڑیں آپا! پہلے ہی خاصے لمبے ہو گئے ہیں اس عمل سے۔" زنیو نے اسے چڑایا۔ "لوگ کہیں لقمان کے بجائے خرکان نہ کہنا شروع کر دیں۔"

"تمہارا بولنا ضروری نہیں ہوتا۔" وہ حسب توقع چڑ گیا۔

"حنا بہت چپ ہے۔" عمیرہ باجی نے حنا کو مخاطب کیا۔

"بہنوں کے درمیان میں کیا بولوں؟۔" وہ بہت سنجیدہ ہو رہی تھی۔

"تمہیں نام کیسا لگا؟۔" باسط بھائی نے پوچھا۔

"ہم کیوں بتائیں، جب ہمیں کوئی اہمیت نہیں دی گئی۔" اسے اپنے نظر انداز کیے جانے پر دکھ پہنچا تھا۔

"ارے ہماری گڑیا تو ناراض ہو گئی۔ باسط بھائی اپنی

جگہ سے اٹھ کر اس کے پاس جا بیٹھے۔ لقمان نے ہمیں بات پوری نہیں کرنے دی ورنہ ہم کہنے والے تھے کہ ننھے میاں کا Pet Name حنا رکھے گی۔"

"بھئی خوب! "ننھے میاں" کیا ادبی و مشرقی نام ہے۔" لقمان کی رگ ظرافت پھڑک اٹھی۔

"سنی!" حنا نے ایک لمحہ سوچ کر کہا۔

"لیجیے۔ ڈن ہو گیا۔" باسط نے فوراً منظوری دے دی۔

"کوئی بات نہیں، ننھے میاں ہم اگلی بار رکھ لیں گے۔ انشاء اللہ۔" لقمان نے حوصلہ بلند رکھا اور باسط بھائی کے قہقہے میں ان سب کی ہنسی بھی شامل ہو گئی۔

✈ ✈ ✈ ✈

وہ سب اپنی اپنی زندگی سے بہت خوش اور مطمئن تھے بقول شاعر۔

ع نہ کوئی فکر تے نہ کوئی فاقہ

خاندان میں ان کا گھر اس لحاظ سے خوش قسمت سمجھا جاتا تھا۔ جلنے والے جلتے تھے۔ خاندانی معاملات میں انہیں ملوث کر کے فساد ڈالنے کی کوشش بھی اکثر و بیشتر ہوتی رہتی تھی۔ لیکن انہوں نے ایسی چھوٹی چھوٹی باتوں کی کبھی پروا نہیں کی تھی۔ مگر زندگی ہمیشہ ایک سی نہیں رہتی۔ ان کی زندگی میں پہلی سنجیدہ ہلچل اس وقت مچی جب زنیو کے نام سے کسی لڑکے کا فون آنا شروع ہوا۔ زنیو کے فرشتوں کو بھی خبر نہیں تھی کہ یہ خبیث عاشق کون ہے اور اچانک کہاں سے وارد ہو گیا ہے۔ جو نہ صرف اس کے معمولات سے واقف ہے بلکہ اسے یہ بھی خبر ہوتی ہے کہ آج اس نے کیا ڈریس پہنا ہے۔ "شاید یہ کوئی یونیورسٹی فیلو ہے۔" اس نے اندازہ لگایا۔

جب فون آنے اور دوسروں کے اٹھانے پر بند ہونے کا سلسلہ زور پکڑنے لگا تو نوین بھابھی کی معنی خیز نظروں اور باتوں سے گھبرا کر اس نے یہ معاملہ لقمان اور اماں کے سامنے رکھا۔ اسے باقی تو کسی سے کیا شکایت ہوتی تھی۔ سب سے سنجیدہ رسپانس لقمان کی طرف سے ملا۔

"تم آئندہ فون نہیں اٹھاؤ گی۔"

"یہ تو مسئلے کا حل نہ ہوا۔"

"تو کیا تم خوش ہو اس صورت حال سے؟" وہ کہیں سے بھی پہلے والا غیر سنجیدہ اور غیر روایتی بھائی نہیں لگ رہا تھا۔

"کیا فضول بات ہے۔" اس کی بات بری لگنے کے باوجود اس کے سنجیدہ تیوروں سے دب کر بولی۔

"آئندہ سے تمہیں یونیورسٹی چھوڑنے اور لینے میں جاؤں گا۔ فون پر آبزرویشن لگوا کر اس الو کے پٹھے سے تو میں نبٹ لیتا ہوں۔"

لیکن بات یہیں پر ختم نہیں ہوئی۔ نوین بھابی نے میکے جا کر بتایا اور پھر تائی جان نے پورے خاندان میں اشتہار لگا دیئے کہ عون کے رشتے سے انکار کا صدمہ انہیں بھلائے نہیں بھولا تھا اور عون اسی کی وجہ سے کہیں اور شادی پر آمادہ نہیں تھا۔

غرض جتنے منہ اتنی باتیں۔

بات کا بتنگڑ اور رائی سے پہاڑ کیسے بنتا ہے۔ انہیں اب اندازہ ہوا وہ بے قصور ہوتے ہوئے بھی خاندان بھر کے گھرانوں کا ہاٹ ٹاپک بن کر رہ گئی۔ گھر والے اور خصوصاً اماں اس صورت حال سے سخت پریشان تھیں۔ کئی بار آبزرویشن لگوائی تھی مگر یا تو ان دنوں فون نہ آتا اور اگر آتا تو کسی پی سی او سے کیا گیا ہوتا۔

عمیرہ باجی کو اماں نے جب ساری صورت حال سے آگاہ کیا تو وہ بھی پریشان ہو گئیں۔

"اماں! میں چند دن تک باسط کے ساتھ، ملنے کے بہانے آؤں گی پھر کوئی حل سوچیں گے اس مسئلے پر۔"

اور جب وہ چند دن بعد باسط کے ساتھ موٹروے کے راستے اسلام آباد سے آ رہی تھیں تو لاہور کے قریب آ کر ایکسیڈنٹ ہو گیا۔ دوسری پارٹی کو شدید چوٹیں لگیں۔ جبکہ باسط اور سنی کو معمولی خراشیں آئیں مگر عمیرہ کے سر پر لگنے والی چوٹ مہلک ثابت ہوئی اور وہ موقع پر ہی دم توڑ گئیں۔ باسط کی آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا۔ بڑی مشکل سے حواس قابو میں رکھ کر موبائل پر سسر کے آفس کا نمبر ملایا۔ اور عمیرہ کا مردہ جسم جب ان کے گھر پہنچا تو گویا قیامت مچ گئی۔

◇◇◇ ♡ ◇◇◇

صورت حال کی سنگینی کا اندازہ انہیں عمیرہ باجی کی موت پر ہوا جب خاندان کے لوگ ان کے گھر اکٹھے ہوئے۔ اس صدمے کے ساتھ ساتھ انہیں سب کی ٹٹولتی نظروں اور چبھتے لہجوں میں کی جانے والی اونچی سرگوشیوں نے لہولہان کر ڈالا۔ عمیرہ کی موت کے ساتھ ساتھ وہ خواتین میں یوں زیر بحث لائی گئی جیسے پاکستان کا ایٹمی دھماکہ۔ سب کی شک زدہ نگاہوں اور سوالیہ وضاحتی جملوں سے بچنے کے لیے اس نے کمرے میں پناہ لی لیکن لوگوں سے بھرے گھر میں پناہ کہیں نہیں تھی۔

دسویں کے بعد لوگوں کی بھیڑ ختم ہوگئی۔ لیکن ان کی باتیں ان کی عزت میں کئی شگاف ڈال گئیں۔ اور ان کا سکھ چین، بے فکری سب کچھ ساتھ لے گئیں۔ گھر والوں کو زنیرہ پر اعتماد تھا لیکن خاندان والوں کو یقین دلانے سے آسان شاید جوئے شیر لانا ہوتا۔

"یہ کوئی یونیورسٹی میں ساتھ پڑھنے والا ہے۔" اس کی باخبری سے وہ اسی نتیجے پر پہنچے اور ابا نے کہا۔

"زنیرہ یونیورسٹی نہیں جائے گی۔"

"میرا بھی یہی خیال ہے۔ تعلیم گھر پر رہ کر بھی مکمل کی جاسکتی ہے۔" نعمان بھائی ہم خیال ہوگئے مگر اس نے زبردست احتجاج کیا۔

"جب میرا اس سارے معاملے میں قصور کوئی نہیں تو آپ مجھے سزا کیوں دے رہے ہیں یا تو کہہ دیں کہ آپ لوگوں کو مجھ پر یقین نہیں رہا۔ میں یونیورسٹی تو کیا کتاب کو ہاتھ نہیں لگاؤں گی۔ کبھی بیرونی دروازے کی طرف نہیں جاؤں گی مگر بغیر کسی بات کے یہ فیصلہ کر کے آپ بھی ان سب لوگوں میں شریک ہوگئے ہیں جو مجھ پر تہمتیں لگا رہے ہیں۔" اس کی آواز بھرا گئی۔

ابا نے اس کے یونیورسٹی نہ جانے کا فیصلہ واپس لے لیا مگر لقمان کو سختی سے اسے اور حنا کو لانے لے جانے کا پابند کر دیا۔ خود لقمان بھی اس واقعے کے بعد سے بہت بدل گیا تھا۔ اپنی ساری مصروفیات پس پشت ڈال کر وہ یہ ذمہ داری وقت کی پابندی کے ساتھ نباہ رہا تھا۔

یونیورسٹی جانے سے پہلے اور بعد کا سارا وقت وہ سنی کی ذمہ داری اور دیکھ بھال میں مصروف رہتی۔ پڑھائی کی طرف توجہ بہت کم رہ گئی تھی۔

رات کو اس کے سونے کے بعد صرف ڈیڑھ دو گھنٹے پڑھ پاتی اور کبھی وہ بھی نہیں، پھر سنی کو باسط بھائی ساتھ لے گئے۔ لیکن دو ہفتے بعد ملانے کے لیے لائے تو وہ بہت کمزور اور بیمار ہو رہا تھا۔ آیا اس کی مناسب دیکھ بھال نہیں کر رہی تھی۔ دوسرے وہ اس عرصے میں زنیرہ سے بہت ہل گیا تھا۔ کسی دوسرے کی گود میں بے چین ہو کے رونے لگتا تھا۔ اماں، ابا نے باسط کو سمجھا کر سنی کو یہیں رکھنے پر آمادہ کر لیا تھا۔ وقتی طور پر باسط بھی رضامند ہو گیا لیکن اندر سے فکر مند تھا کہ یہ مسئلے کا مستقل حل نہیں ہے۔ ان تین ماہ میں وہ صرف تیس دن سنی کے ساتھ رہا تھا۔ نہ سنی سے مسلسل دور رہا جا سکتا تھا اور نہ اسلام آباد سے یہاں شفٹ ہونا ممکن تھا۔ جو حل دوستوں اور ملنے والوں نے تجویز کیا اس کے بارے میں وہ کبھی سوچ سکتا تھا نہ سننا چاہتا تھا۔

"عمیرہ نہیں تو کوئی اور بھی نہیں۔"

♥ ♡ ♡ ♥

یونیورسٹی میں آج کل ادبی مقابلے اور تقاریب منعقد کی جا رہی تھیں۔ سنی کی وجہ سے وہ ان تقاریب میں شرکت نہیں کر رہی تھی۔ لیکن منگل کو چار بجے مشاعرہ تھا جس میں امجد اسلام امجد بھی آ رہے تھے تو اس سے رہا نہ گیا۔ "کوئی بات نہیں آج سنی کو اماں سنبھال لیں گی۔" اس نے لقمان کو لیٹ ٹائم دیا کیونکہ اکثر ایسے پروگرام لیٹ ہو جاتے تھے۔ اس لیے واپسی کا وقت سات بجے بتایا مگر پتا نہیں کیا ہوا کہ اچانک اس کا سر چکرانے لگا طبیعت میں انتہا درجے کی بے چینی اور گھبراہٹ پیدا ہوگئی شاید کینٹین سے کھائی کوئی چیز ری ایکٹ کر گئی تھی۔

"زنیرہ! کیا ہوا؟۔ تم ٹھیک نہیں لگ رہیں؟" ساتھ بیٹھی سعدیہ کی اس پر نظر پڑی تو ٹھٹھک کر پوچھا۔

"میری طبیعت بہت خراب ہو رہی ہے۔ میں گھر

جانا چاہتی ہوں۔"

"مگر اس وقت کس کے ساتھ جاؤ گی؟ ہم نے سات بجے کا ٹائم دے رکھا ہے۔"

"سعدیہ! مجھے پتا نہیں کیا ہو رہا ہے۔ پلیز کچھ کرو۔"

اس کے ساتھ ہی وہ ہال سے باہر کو بھاگی اسے لگا اگر وہ رکی تو وہیں الٹی ہو جائے گی۔ سعدیہ اور نائلہ بھی اس کے پیچھے آ گئیں۔ کئی نے اس کے اس طرح باہر نکلنے پر چونک کر دیکھا۔ الٹی ہو جائے کے بعد اسے نقاہت محسوس ہونے لگی۔

اسے اماں یاد آنے لگیں۔ یوں بھی وہ چھوٹی چھوٹی باتوں پر گھبرا جاتی تھی۔

"میں گھر جانا چاہتی ہوں پلیز۔"

"میں اپنے کزن کاشف سے کہتی ہوں۔ وہ تمہیں چھوڑ آئے گا۔" نائلہ ہال کے اندر چلی گئی۔ تھوڑی دیر بعد کاشف اس کے ساتھ تھا۔ نائلہ کا کزن اور یونیورسٹی فیلو ہونے کی وجہ سے سلام دعا ہو جاتی تھی۔

"چلیے آیئے۔" اس کی طبیعت پوچھ کر وہ گاڑی کی چابی نکالتے ہوئے بولا۔

"اپنا خیال رکھنا۔ ہم گھر پہنچتے ہی تمہیں فون کریں گے۔" نائلہ اور سعدیہ نے اسے وہیں سے الوداعی کلمات کہے تو وہ رک گئی۔

"تم لوگوں میں سے کوئی میرے ساتھ چلے۔"

"ابھی فرحت عباس شاہ اسٹیج پر آنے والا ہے اور تم جانتی ہو، مجھے اسے حقیقت میں دیکھنے اور سننے کا کتنا کریز ہے۔ پہلی بار موقع ملا ہے اور شاید آخری بھی پھر کاشف کوئی اجنبی تو نہیں ہے۔"

"سعدیہ! تم آجاؤ۔"

"مجھے اکیلے واپس آنا پڑے گا اور میرے گھر والے تمہارے گھر والوں کی طرح کھلے ذہن کے نہیں ہیں۔ یونیورسٹی سے اٹھالیں گے اگر پتا چل گیا تو۔"

"اوکے اللہ حافظ!" وہ کاشف کے پیچھے اس کی گاڑی میں جا بیٹھی۔

"اب کیسی طبیعت ہے؟" تھوڑی دیر بعد کاشف نے گردن موڑ کر پوچھا۔

"دل خراب ہو رہا ہے، ویسے ٹھیک ہوں۔"

گاڑی کی رفتار آہستہ ہوئی پھر ایک اسٹور کے سامنے رک گئی۔

کاشف نے اتر کر اس کے لیے سیون اپ اور اپنے لیے پیپسی کا ٹن پیک خریدا۔

"پی لیں۔ طبیعت سنبھل جائے گی۔" اس نے ایک لمحے کو پس و پیش سے کام لیا پھر لے کر پینے لگی۔ گاڑی ایک بار پھر اسٹارٹ ہو گئی۔ لیکن تھوڑی دیر بعد اس کی رفتار آہستہ اور پھر بہت آہستہ ہو گئی۔ سڑک پر ٹریفک کا بہت رش ہو رہا تھا۔

"میری وجہ سے آپ کا فنکشن بھی خراب ہوا۔" سیون اپ پینے سے اس کی طبیعت کافی بہتر ہو گئی۔

"ارے نہیں۔ میرا کوئی خاص موڈ نہیں تھا۔ بس دوستوں کے کہنے پر چلا آیا۔ اب آپ کو چھوڑ کر سیدھا گھر جاؤں گا۔"

"پھر بھی میں آپ کی مشکور ہوں۔"

"آپ اتنی فارمل لگتی تو نہیں ہیں۔"

"ہاں مگر فارمل ہونے اور احسان فراموش اور ناشکرا ہونے میں فرق ہے۔" اس نے دلیل دی۔

"Oh exellent thinking" وہ توصیفی انداز میں مسکرایا۔

"اگر آپ اجازت دیں تو میں میڈیکل اسٹور سے ممی کی دوائیں لے لوں، واپسی میں مجھے اس طرف نہیں آنا پڑے گا۔"

"جی ضرور۔"

"بس پانچ منٹ لگیں گے۔" وہ اترتے ہوئے بولا لیکن اسے خاصی دیر ہو گئی۔

"آئی ایم سوری۔ رش بہت تھا۔ لگتا ہے پورا شہر بیمار پڑ گیا ہے۔ یہاں پر باہر کی دوائیں بھی مل جاتی ہیں اور ممی کی ایک میڈیسن صرف یہیں سے ملتی ہے۔ آپ پریشان تو نہیں ہو رہیں کہ کس بندے کے ساتھ آ گئی ہوں۔"

"جی ایسی کوئی بات نہیں۔" کہنے کو تو اس نے کہہ دیا تھا لیکن دل میں پچھتانے لگی تھی۔ پچھلے دو ماہ سے رانگ نمبر کے مسئلے نے گھر میں اس کی پوزیشن کافی

آکورڈ کر دی تھی اور وہ کسی کے کچھ کہے بغیر ہی بہت محتاط ہو گئی تھی۔ ہنسی مذاق اور کھیل تماشے نہ ہونے کے برابر رہ گئے تھے۔ ہمہ وقت وہ خود کو سنی میں مصروف رکھنے کی کوشش کرتی۔ اس کی مسکراہٹ اور غوں غاں سے وہ اس کی باتوں کا اندازہ کرتی اور توتلی زبان میں جواب دیتی رہتی۔ اب وہ ماشاء اللہ سات ماہ کا ہو گیا تھا اور سب کو پہچاننے لگا تھا۔ یونیورسٹی ٹائمنگ کے بعد زنیرہ کی گود ہی اس کی پسندیدہ جگہ تھی جس سے وہ علیحدگی برداشت نہیں کرتا تھا۔

اس نے کلائی پر بندھی گھڑی پر نظر ڈالی۔

سات بج کر ستائیس منٹ ہو رہے تھے۔

کاش میں یونیورسٹی ہی رک جاتی۔ تھوڑی دیر میں خود بخود طبیعت سنبھل جاتی۔ لیکن میں ہمیشہ سے کم حوصلہ رہی ہوں۔ ذرا ذرا سی بات پر گھبرا کر رونا شروع کر دیتی ہوں۔ اور یہ کاشف کس سڑک سے گھر لے جا رہا ہے۔

"پلیز، ذرا رفتار تیز کریں۔" اسے کہتے ہوئے بڑا عجیب سا لگا۔

"دعا کریں۔ ٹریفک جام نہ ہو۔ میں تو خود پچھتا رہا ہوں اس روڈ پر آ کر۔ میں نے سوچا تھا کہ اس راستے سے ہم جلدی پہنچ جائیں گے۔"

"آپ کی طبیعت زیادہ خراب تو نہیں ہو رہی؟" اسے خاموش پا کر تھوڑی دیر بعد فکر مندی سے پوچھا۔

"تو آئی ایم اوکے۔ تھینک یو۔"

"پلیز نو تھینک یو اگین۔"

اور وہ جواب میں تکلفاً بھی نہ مسکرا سکی۔

"آپ پریشان ہو گئی ہیں؟"

"ہاں!" اس نے چھپانے کی ضرورت غیر ضروری خیال کی۔

"کیا میری وجہ سے؟ میرا مطلب ہے کہ آپ مجھ پر بھروسہ کر کے....."

"نو پلیز، نہیں بالکل نہیں۔" اس نے فوراً پر زور تردید کی۔ اس کی شرافت کا کچھ اندازہ اسے پہلے سے تھا اور اب تو یقین ہو گیا تھا۔ اس کے انداز میں تہذیب اور لہجے میں شائستگی تھی اور یہی عکس اس کے چہرے پر نقش ہو گیا تھا۔

"پھر کیا گھر والوں کی وجہ سے پریشان ہیں؟"

"نہیں۔ مگر دیر بہت ہو گئی ہے۔" اس کے مبہم جواب پر وہ مسکرا دیا۔

"لڑکیوں کے معاملے میں سب والدین ایک سی سوچ رکھتے ہیں۔ ہمیں کسی کو ساتھ لانا چاہیے تھا۔"

اور وہ گھڑی کی طرف دیکھ کر رہ گئی۔

"سات بج کر اڑتالیس منٹ۔" پہلے بھی کئی بار ایسا ہوا تھا کہ فنکشن کی وجہ سے وہ لیٹ گھر پہنچی تھی مگر تب اس کی فرینڈز ساتھ ہوتی تھیں اور نہ ہی رانگ نمبر جیسا کوئی مسئلہ تھا۔

رانگ نمبر جس کے بارے میں خیال تھا کہ وہ کوئی یونیورسٹی میں سے ہے۔ اس کے ذہن میں اندیشوں کے سائے بڑھنے لگے۔

"آپ پریشان نہ ہوں۔ میں آپ کے گھر والوں سے مل کر خود انہیں ساری تفصیل بتا کر جاؤں گا۔" وہ اسے پریشان دیکھ کر حوصلہ دینے لگا۔

"نہیں۔ ایسی کوئی بات نہیں۔ میرے گھر والوں کو مجھ پر اعتماد ہے لیکن....." وہ کہتے کہتے رک گئی۔ یہ بات اس نے سعدیہ اور نائلہ کو شروع میں سرسری طور پر بتائی تھی، لیکن ان کے انجوائے منٹ اسٹائل میں دلچسپی لینے پر یہ کہہ کر کہ "یہ سلسلہ ختم ہو گیا ہے" بات ختم کر دی تھی۔

"لیکن کیا.....؟" کاشف نے متجسس ہو کر دلچسپی لی۔

"کچھ عرصے سے کوئی فون کر کے تنگ کر رہا ہے اور اس قدر ڈھیٹ ہو گیا ہے کہ حنا آنٹی یا بھابھی اٹھائیں تو میرا نام لے کر مجھے بلانے کو کہتا ہے۔" وہ مختصراً بتانے لگی۔

"آپ لوگوں نے آبزرویشن لگوائی؟"

"ہاں مگر کوئی فائدہ نہیں ہوا یا تو فون آتا نہیں اور اگر مختصری کال آئے تو پی سی او کا نمبر ہوتا ہے۔"

"مجھ سے بڑے بھائی ٹیلیفون ڈیپارٹمنٹ میں ڈی ای ہیں اگر آپ کہیں تو میں کوشش کروں۔"

اور انکار کا تو کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔

"میں گھر والوں سے مشورہ کر کے بتاؤں گی۔"

"میرے خیال میں آپ کسی سے ذکر مت کریں۔ اس بات کو محکمے کے چند متعلقہ لوگوں تک رہنے دیں۔ میں بھائی سے کہہ کے کوشش کروں گا کہ ایک دو سے زیادہ لوگ انوالو نہ ہوں۔"

اور پتا نہیں کیوں اسے یقین ہونے لگا کہ یہ بندہ اسے اس مسئلے سے ضرور نجات دلا دے گا۔

"میں اس خبیث انسان کا وہ حشر کروں گی کہ یاد کرے گا۔" وہ دل میں اس سے انتقام کے منصوبے بنانے لگی۔

♥ ♡ ♡ ♥

کاشف کو خدا حافظ کہہ کر گیٹ کی طرف پلٹی تو نظر بالکونی میں کھڑے نعمان بھائی اور عون پر پڑی۔ فاصلے کے باوجود نعمان بھائی کی شک زدہ نگاہوں میں غصے کا دہکتا الاؤ اور چہرے پر غضب واضح تھا۔ اس کا دل یکبارگی خوف سے دھڑکنے لگا، جسم میں سنسناہٹ ہونے لگی۔ پہلے کبھی ایسا نہیں ہوا تھا۔ پتا نہیں نعمان بھائی کیا سمجھ رہے تھے۔ گیٹ سے اندر قدم رکھا تو جیسے زمین نے جکڑ لیا۔ سامنے برآمدے میں بگڑے ہوئے تیوروں کے ساتھ سب ہی موجود تھے۔ تائی امی، نوین بھابھی، لقمان، حنا اور وسوسوں، اندیشوں میں گھری ماں جن کا سارا خون تائی امی کی زہر میں بجھی ہمدردی اور آنے والی رسوائی کے خوف نے نچوڑ لیا تھا۔

"ابھی وضاحت کر کے سارا معاملہ صاف کر دیتی ہوں۔" اس نے اعصاب کو مضبوط کر کے اپنا کھویا ہوا اعتماد بحال کرنے کی کوشش کی۔ اور چشم تصور سے اماں کو پودینے اور الائچی کا قہوہ پلاتے اور سر دباتے دیکھا لیکن یہ فقط ایک پل کا تصور تھا۔ چشم زدن میں اماں آگے بڑھیں اور اسے بازوؤں سے پکڑ کر جھنجھوڑ ڈالا۔

"کہاں گئی تھیں تم؟"

"کس کے ساتھ گئی تھیں؟"

"کہاں سے آ رہی ہو؟"

"کون تھا وہ؟"

"اماں۔۔۔!" اس نے بولنا چاہا۔

"بدبخت! تجھے اپنے باپ کی عزت کا خیال نہ آیا۔ یہ صلہ دیا ہے تو نے لاڈ پیار کا، بھروسے کا۔ بھائیوں کو سر اٹھانے کے قابل نہیں چھوڑا۔ باپ کو جیتے جی مار ڈالا۔"

"اماں۔۔۔!" وہ اماں کی باتوں سے شدید حیرت اور صدمے کی شکار ہوئی۔

"اماں! آپ غلط سمجھ رہی ہیں۔ میں یونیورسٹی گئی تھی پھر۔۔۔"

"اب اور کتنا جھوٹ بولے گی اور کتنی خاک ڈالے گی ہمارے سر میں۔" اماں کی آواز پست ہو گئی۔ دل کا درد آنسو بن کر بہنے لگا۔

"اے میں تو خود حیران رہ گئی تھی اسے وہاں اسٹور پر گاڑی میں آتا دیکھ کر۔ میرے سامنے وہ لڑکا اترا اور ڈبوں والی بوتلیں لے کر گیا۔ کچھ نہ پوچھو، وہ وقت کیسا تھا۔ عون کو جس طرح میں نے قابو کیا مجھے پتا ہے۔ آئے باپ اور چچا میں فرق ہی کتنا ہوتا ہے۔ عزت اور ذلت سب میں سانجھ ہوتی ہے۔ اب گھر کی بیٹیاں یوں رات کو عزت اچھالتی، پھریں جوان خون کہاں برداشت کرتا ہے۔ لیکن میں نے کہا۔ تم جوش میں مت آؤ، غیرت میں کچھ کر بیٹھو تو تمہارا نقصان الگ اٹھانا پڑے اور اس پر بھائی، بھابھی کا اعتراض کہ تم لوگوں نے خوامخواہ میں ہمیں بدنام کیا۔ ہمارا کام جا کے انہیں خبردار کرنا ہے۔ باقی ان کے گھر کا معاملہ ہے۔ خود سنبھال لیں گے۔"

تائی امی نے اب تک کوئی بیس بار سنائی جانے والی داستان پھر دہرائی۔ نعمان بھائی اور عون بھی نیچے اتر آئے۔

"اماں! یہ جھوٹ ہے۔ غلط ہے۔ آپ لوگ میری بات تو سنیں۔" اس نے اپنی صفائی میں بولنا چاہا مگر تائی امی کی تیز آواز اس کی آواز پر غالب آ گئی۔

"اے لو بی بی! یہ تو وہی بات ہو گئی۔ الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے۔ ہمیں ہمارے منہ پر جھوٹا کہہ رہی ہے یہ۔ لقمان سے کیا کہو گی جو تمہاری یونیورسٹی سے ہو کے آیا ہے اور وہ جو تمہاری سہیلیاں فون پہ فون کر کے پوچھ

رہی ہیں کہ یونیورسٹی سے تو کب کی غائب ہے۔ گھر نہیں پہنچی۔ خیر سے ہم تو جھوٹے ہیں۔ چلو عون! ہم یہاں بے عزتی کرانے نہیں آئے۔ نیکی برباد گناہ لازم۔"

"تائی امی!" نعمان بھائی نے روکنا چاہا۔

"بس بیٹا! اب چلتے ہیں۔ تم جانو اور تمہارا کام۔ اب پتا چلا عون کی قسمت اچھی تھی۔ واقعی اللہ کے ہر کام میں کوئی نہ کوئی مصلحت ہوتی ہے۔ اچھا بھابھی! اللہ آپ کو اور سبحان بھائی کو حوصلہ عطا فرمائے۔" تائی امی تیل چھڑکتی بیٹے کو لے کر چلتی بنیں۔

"اماں! اس سے کہیں، میری نظروں سے دور ہو جائے ورنہ میں۔۔۔" اور اماں، بیٹے کے تیور دیکھ کر اپنا غصہ بھول گئیں۔ اس کا بازو پکڑا اور کھینچتے ہوئے اس کے کمرے میں بستر پر لا پٹخا۔

"خبردار ابھی باہر مت نکلنا۔" اماں نے جاتے ہوئے دروازہ بند کرنے سے پہلے نصیحت آمیز وارننگ دی۔

♥ ♡ ♡ ♥

پھر دیکھتے ہی دیکھتے سارے معاملات طے پا گئے۔ اس کا اعتماد، اس کا مان سب کچھ چھین لیا گیا۔ اس کا بیس سالہ سابقہ صاف شفاف ریکارڈ محض شک کی بنیاد پر بغیر تحقیق کے نظرانداز کر دیا گیا۔ اس کے پاک دامن پر سب کو کیچڑ نظر آنے لگا۔ اس کی کوئی سننے کو تیار نہیں تھا سوائے حنا کے، جسے کچھ سنے بغیر ابھی بھی اس کے کردار کی مضبوطی اور پاکدامنی کا یقین تھا۔ لیکن اس کی رائے کی کوئی حیثیت نہیں تھی۔ اس نے اگلے دن بتایا۔

"ابھی کاشف کے گھر والے آئے تھے۔ اماں نے تو بات بنا کر انکار کرنا چاہا لیکن نوین بھابھی نے ان کی بہت بے عزتی کی ہے۔ وہ شریف لوگ تھے۔ چاہتے تو الٹا الزام دھر کر جا سکتے تھے مگر خاموشی سے چلے گئے۔ اب تو سب کو پکا یقین ہو گیا ہے کہ فون پر تنگ کرنے والا یہی شخص تھا۔"

اور یقین کیسے نہ ہوتا پالا تائی امی اور نوین بھابھی جیسے شاطر لوگوں سے پڑا تھا۔ اسے کچھ عرصے سے اندازہ ہونے لگا تھا کہ نوین بھابھی اس کے لیے نیک جذبات نہیں رکھتیں حالانکہ آج کل بظاہر اس کے قریب ہونے اور گھل مل کر رہنے کی کوشش کرتی ہیں اور حنا تو اسے بہت عرصے سے متنبہ کر رہی تھی۔

اسی رات باسط رضا، سنی سے ملنے چلا آیا کہ بیمار چھوڑ کر گیا تھا اور فون پر اس کی صحت یابی کا علم ہونے کے باوجود دیکھے بنا تسلی نہیں ہو رہی تھی۔ اس سیاہ رات میں اس کی قسمت کا فیصلہ کر دیا گیا۔ گھر کی عزت پر لگنے والے اس سیاہ داغ کو مٹانے کے لیے وہ سنی کی آڑ میں بھینٹ چڑھا دی گئی۔ اگلی صبح جب اماں نے اسے سب کے فیصلے سے آگاہ کیا تو وہ پلک جھپکے بغیر ایک ٹک اماں کو دیکھے چلی گئی۔ رات بھر جاگنے اور شدت گریہ سے اس کی آنکھیں سوج کر سرخ ہو رہی تھیں۔ خود اماں کی اپنی حالت بھی اچھی نہیں تھی جو کچھ بھی تھا وہ ان کی بیٹی، ان کے بدن کا حصہ تھی۔ اس کے اس طرح دیکھنے پر اماں کے سینے پر دل پچھاڑیں کھانے لگا۔

"میری بچی بے قصور ہے۔" اندر کوئی چلانے لگا مگر اب وقت ہاتھ سے نکل چکا تھا۔ ان کے بس میں کچھ نہیں رہا تھا۔

"باسط مان تو گیا ہے، لیکن تیری طرف سے اس کی تسلی نہیں ہو رہی۔ وہ تیرے منہ سے ہاں سننا چاہتا ہے۔ تو خود سمجھ دار ہے۔ سارے معاملے کو سمجھتی ہے۔ جو کچھ ہوا بہت برا ہوا۔ عزت تو جو گئی سو گئی۔ اب تو ہی باپ بھائیوں کا رہا سہا مان رکھ سکتی ہے۔"

"میں تو ان کا مان رکھ لوں گی لیکن میرا مان کون رکھے گا؟" اس نے دل میں سوچا اور پل کی پل میں فیصلہ کر ڈالا۔

"ٹھیک ہے اماں! اس طرح آپ کی عزت بحال ہوتی ہے تو یونہی سہی۔"

"میری بدنصیب بچی!" اماں نے اس کا ماتھا چومنا چاہا تو وہ ایک جھٹکے سے پیچھے ہٹ گئی۔

"اماں! چھوڑیں اب یہ باتیں۔ جب سب کچھ چھین لیا ہے تو یہ کیوں دے رہی ہیں۔" اس کی آواز بھرا گئی۔ زخم تازہ تھے۔ اس لیے درد بھی انتہا کا تھا۔

"ایک دو دن میں سب کچھ ہو جائے تو اچھا ہے۔ میں اس گھر میں اس سے زیادہ نہیں رکنا چاہتی اور ایک بات اور میں اس گھر سے ہمیشہ کے لیے ناتا توڑ کے جاؤں گی یعنی آپ میرے لیے اور میں آپ لوگوں کے لیے مر جاؤں گی اور اگر آپ لوگوں نے باسط سے بھی کوئی رابطہ رکھنے کی کوشش کی تو میں باسط کو چھوڑ کر چلی جاؤں گی یا زہر کھالوں گی۔ اور آپ لوگ جانتے ہیں کہ میں بہت ضدی ہوں۔ جو کہتی ہوں کر دکھاتی ہوں۔"

اماں کی سسکیاں تیز ہو گئیں۔ اسی وقت باسط اندر داخل ہوئے اور اماں کو روتا دیکھ کر صورت حال کا اندازہ لگانے کی کوشش کی۔

"اماں! مجھے زنیرہ سے بات کرنی ہے۔"

اماں دوپٹے کا پلو منہ میں دباتی اٹھ کر چلی گئیں اور اس نے باسط رضا کی بات سن کر سارے حوصلے مجتمع کر کے ہاں میں جواب دیا۔ اور اس کے جانے کے بعد دروازے کی چٹخنی چڑھا کر زمین پر بیٹھ گئی کہ مرنے سے پہلے ایک آخری بار کھل کر اپنی قسمت کا ماتم کرنا چاہتی تھی۔

ڈ ڈ ڈ ڈ

بارش میں بھیگنے کی وجہ سے وہ پورا ایک ہفتہ شدید بیمار رہی۔ رات کو باسط' اسے گرم دودھ کے ساتھ دوائی کھلانے کے بعد جب تک وہ سو نہیں گئی اپنے کمرے میں نہیں گیا۔ لیکن صبح جاگنگ کرنے کے بعد جب وہ اس کے کمرے میں طبیعت معلوم کرنے کی غرض سے آیا تو بے سدھ سوتا دیکھ کر تشویش میں مبتلا ہو گیا۔ اس وقت وہ عموماً" کمرے سے کچن اور کچن سے کمرے کی طرف مصروف دکھائی دیتی تھی۔ اس نے آگے بڑھ کر اس کے ماتھے پر ہاتھ رکھا۔ بارش میں بھیگنا کام دکھا گیا تھا۔ اسے شدید ٹمپریچر ہو رہا تھا۔ سنی اسے دیکھ کر منہ سے آوازیں نکال رہا تھا۔

اس نے زرینہ کو بلا کر سنی کو اس کے حوالے کیا اور کمرے سے میڈیکل کٹ اٹھا لایا۔

♥ ♡ ♡ ♥

باسط رضا نے اس کے لیے دن کا چین اور راتوں کی نیند حرام کر لی تھی۔ رات کو وہ اس کے پاس کرسی پر بیٹھ کر یا صوفے کے بازو پر سر ٹکا کر کچھ نیند لے لیتا کوشش یہی ہوتی کہ آنکھ نہ لگے۔ سنی کے کروٹ بدلنے کی آواز پر بھی وہ چونک اٹھتا کہ کہیں زینی کی نیند نہ ٹوٹ جائے۔ اور اب ایک ہفتے بعد جا کے بخار ٹوٹا تھا۔ مگر نقاہت بہت ہو گئی تھی جسے باسط دور کرنے کی ہر ممکن کوشش کر رہا تھا۔ اس ایک ہفتے نے اس کے دل میں سے باسط کے لیے ناراضگی کے جذبات ختم کر دیئے تھے۔ اس سے پہلے اس کا خیال تھا کہ باسط نے موقع سے فائدہ اٹھایا ہے لیکن باسط نے جس طرح اپنی ذمہ داریاں اور اپنا آپ پس پشت ڈال کر اس کے آرام' دواؤں اور خوراک کا خیال رکھا تھا اسے اپنے رویئے سے احساس دلایا تھا کہ وہ اس کے لیے سب سے اہم ہے۔ سنی کی وجہ سے نہیں اپنی ذات کی وجہ سے۔ اس مقدس رشتے کی وجہ سے جو ان میں قائم ہو چکا ہے اور ہمیشہ محبت خلوص اور مہر و وفا کی بنیادوں پر قائم رہے گا۔ اس کے جذبے ہمیشہ سچے موتیوں کی طرح کھرے رہیں گے اور وہ اپنے حال میں کبھی ماضی کی ملاوٹ نہیں ہونے دے گا۔ اور زنیرہ کو بھی اس کا احساس ہونے لگا تھا۔

بے شک ماضی اتنی آسانی سے نہیں بھولتا یا شاید کبھی نہیں بھولتا اور وہ خود اس کی زندہ مثال تھی۔ لیکن حال میں زندہ رہنے کے لیے ماضی سے رابطے کاٹنے پڑتے ہیں۔ حالات سے کمپرومائز کرنا پڑتا ہے۔ زندگی گزارنے کے لیے کسی ساتھی کسی سہارے کی ضرورت ہوتی ہے جس سے آپ بات کر کے دل کا بوجھ ہلکا کر سکیں۔ باسط اس کا حال ہے اور اسے اب اپنے حال سے کمپرومائز کرنا ہے۔

صبح باسط اس کا مکمل چیک اپ کر کے اس سے مطمئن ہونے کے بعد ہاسپٹل روانہ ہوا' جاتے جاتے ڈھیر ساری ہدایات دے گیا۔ جس میں وقت پر دوا کھانے اور آرام کرنے کی ہدایت شامل تھی۔

"بیگم صاحبہ! ڈاکٹر صاحب کا فون ہے۔"

وہ سو کر اٹھی تو زرینہ کارڈلیس ہاتھ میں پکڑے

اندر داخل ہوئی۔ زنیرہ نے اپنے کمرے میں کنکشن نہیں لگوایا تھا۔ حالانکہ باسط نے کہا بھی تھا لیکن اس نے سہولت سے انکار کر دیا کہ وہ کوئی فون سننا نہیں چاہتی تھی۔ لیکن جب سے وہ بیمار ہوئی تھی۔ باسط ہاسپٹل سے اکثر اسے فون کرتا رہتا تھا۔ اس لیے وہ اب سوچ رہی تھی کہ یہاں کنکشن لگوا لے۔ بعض دفعہ سنی ساتھ سویا ہوتا تھا تو اس کے اٹھنے پر جاگ کر رونا شروع کر دیتا تھا۔

"ہیلو!"

"سو رہی تھیں؟۔"

"جی بس۔ ابھی سو کر اٹھی ہوں۔"

"گڈ یعنی میری ہدایات پر مکمل کیا ہے۔"

"آپ کیا کر رہے ہیں؟۔"

"آپریشن کر کے فارغ ہوا ہوں۔ بہت تھکن ہو رہی ہے پھر تمہاری طرف سے بھی فکر مند تھا۔ سوچا تم سے بات کر کے تمہاری خیریت معلوم کروں اور تھکن بھی اتار لوں۔"

"اچھا!" وہ فقط یہی کہہ سکی۔

"ہوں تو تم سو رہی تھیں۔ کوئی خواب بھی دیکھا کہ نہیں؟"

"نہیں۔ خواب دیکھنا چھوڑ چکی ہوں۔" وہ افسردہ ہو گئی۔

"لیکن میں تو اب بھی خواب دیکھتا ہوں۔ حقیقت پر مبنی سچے خواب۔ جس میں، میں تم اور سنی ہوتے ہیں۔"

"اوہ! سنی جاگ گیا ہے۔ اچھا آپ کے آنے پر بات ہو گی۔ اللہ حافظ۔" اس کے پاس باسط کی باتوں کا کوئی جواب نہ تھا۔ اس لیے بہانے سے فون بند کر دیا کہ ابھی زندگی کا یہ موڑ بہت دور تھا۔

فون رکھا ہی تھا کہ پھر بجنے لگا۔

"لگتا ہے باسط شرارت کے موڈ میں ہے۔" اس نے تین چار بیلوں کے بعد اٹینڈ کیا۔

"ہیلو!"

"زنیرہ! میری بچی! کیا حال ہے؟۔" دوسری طرف سے اماں کی آواز سن کر وہ بھونچکا رہ گئی۔

"اماں! آپ؟۔"

"تمہاری طبیعت کیسی ہے؟۔"

"بخار اتر گیا کیا؟۔"

"ہاں"

"ضرور بارش میں بھیگی ہو گی۔"

"آپ کو کس نے بتایا۔" اماں کے سوالوں پر وہ پوچھے بغیر نہ رہ سکی۔

"صبح فون کیا تھا۔ پتا چلا کہ تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ سو رہی ہو۔"

"آپ کو فون کرنے کی ضرورت کیوں پڑ گئی تھی؟۔" وہ کھوکھلے پن سے بولی۔

"کئی دن سے دل بہت گھبرا رہا تھا۔ کسی صورت چین نہیں پڑ رہا تھا اور جب فون کیا تو پتا چلا کہ ہفتے بھر سے بیمار ہو۔"

اماں کی آواز بھرا گئی اور زلزلے تو اس کے اندر بھی برپا ہو گئے تھے۔ کچھ بھی تھا وہ اس کی ماں تھیں۔ انہوں نے اسے جنم دیا تھا۔ اس لیے تو اس کی بیماری پر ان کا دل بے تاب و بے قرار ہو گیا تھا لیکن یہ دل اس وقت کہاں تھا جب اس پر تہمت لگائی گئی تھی اور جب اسے گناہگار قرار دے کر اس کی قسمت کا فیصلہ کیا جا رہا تھا۔ اس نے فون بند کر کے انگیج کا بٹن دبا دیا۔

✡ ✡ ✡ ✡

"کل آپ سر شام ہی سو گئی تھیں؟۔" صبح ناشتے کی ٹیبل پر باسط نے کہا تو وہ چونک کر اسے دیکھنے لگی۔

"ہاں۔ کل سنی سویا تو میری بھی آنکھ لگ گئی پھر صبح ہی کھلی۔" اس نے بتانا مناسب نہ سمجھا کہ کل اماں کے فون کے بعد اس کا کسی کو دیکھنے یا بات کرنے کو دل نہیں چاہا۔

"رات بابا کا فون آیا تھا۔"

"اچھا۔ خیریت سے ہیں۔ میرا سلام دینا تھا۔"

"میں نے بتایا کہ تمہاری طبیعت خراب رہی ہے تو پریشان ہو گئے کہہ رہے تھے۔ کل میں خانہ کعبہ اور روضہ رسول پر حاضری دے کر اپنی بیٹی کی صحت کے لیے خصوصی دعا مانگوں گا۔" اور زنیرہ کا دل بھر آیا ایک ابا تھے جنہوں نے اس سے محبت و شفقت کا سایہ واپس

"ایک دو دن میں سب کچھ ہو جائے تو اچھا ہے۔ میں اس گھر میں اس سے زیادہ نہیں رکنا چاہتی اور ایک بات اور میں اس گھر سے ہمیشہ کے لیے ناتا توڑ کے جاؤں گی یعنی آپ میرے لیے اور میں آپ لوگوں کے لیے مر جاؤں گی اور اگر آپ لوگوں نے باسط سے بھی کوئی رابطہ رکھنے کی کوشش کی تو میں باسط کو چھوڑ کر چلی جاؤں گی یا زہر کھالوں گی۔ اور آپ لوگ جانتے ہیں کہ میں بہت ضدی ہوں۔ جو کہتی ہوں کر دکھاتی ہوں۔"

اماں کی سسکیاں تیز ہو گئیں۔ اسی وقت باسط اندر داخل ہوئے اور اماں کو روتا دیکھ کر صورت حال کا اندازہ لگانے کی کوشش کی۔

"اماں! مجھے زنیرہ سے بات کرنی ہے۔"

اماں دوپٹے کا پلو منہ میں دباتی اٹھ کر چلی گئیں اور اس نے باسط رضا کی بات سن کر سارے حوصلے مجتمع کر کے ہاں میں جواب دیا۔ اور اس کے جانے کے بعد دروازے کی چٹخنی چڑھا کر زمین پر بیٹھ گئی کہ مرنے سے پہلے ایک آخری بار کھل کر اپنی قسمت کا ماتم کرنا چاہتی تھی۔

⊃ ⊃ ⊃ ⊃

بارش میں بھیگنے کی وجہ سے وہ پورا ایک ہفتہ شدید بیمار رہی۔ رات کو باسط' اسے گرم دودھ کے ساتھ دوائی کھلانے کے بعد جب تک وہ سو نہیں گئی اپنے کمرے میں نہیں گیا۔ لیکن صبح جاگنگ کرنے کے بعد جب وہ اس کے کمرے میں طبیعت معلوم کرنے کی غرض سے آیا تو بے سدھ سوتا دیکھ کر تشویش میں مبتلا ہو گیا۔ اس وقت وہ عموماً" کمرے سے کچن اور کچن سے کمرے کی طرف مصروف دکھائی دیتی تھی۔ اس نے آگے بڑھ کر اس کے ماتھے پر ہاتھ رکھا۔ بارش میں بھیگنا کام دکھا گیا تھا۔ اسے شدید ٹمپریچر ہو رہا تھا۔ سنی اسے دیکھ کر منہ سے آوازیں نکال رہا تھا۔

اس نے زرینہ کو بلا کر سنی کو اس کے حوالے کیا اور کمرے سے میڈیکل کٹ اٹھا لایا۔

♥ ♡ ♡ ♥

باسط رضا نے اس کے لیے دن کا چین اور راتوں کی نیند حرام کر لی تھی۔ رات کو وہ اس کے پاس کرسی پر بیٹھ کر یا صوفے کے بازو پر سر ٹکا کر کچھ نیند لے لیتا کوشش یہی ہوتی کہ آنکھ نہ لگے۔ سنی کے کروٹ بدلنے کی آواز پر بھی وہ چونک اٹھتا کہ کہیں زینی کی نیند نہ ٹوٹ جائے۔ اور اب ایک ہفتے بعد جا کے بخار ٹوٹا تھا۔ مگر نقاہت بہت ہو گئی تھی جسے باسط دور کرنے کی ہر ممکن کوشش کر رہا تھا۔ اس ایک ہفتے نے اس کے دل میں سے باسط کے لیے ناراضگی کے جذبات ختم کر دیئے تھے۔ اس سے پہلے اس کا خیال تھا کہ باسط نے موقع سے فائدہ اٹھایا ہے لیکن باسط نے جس طرح اپنی ذمہ داریاں اور اپنا آپ پس پشت ڈال کر اس کے آرام' دواؤں اور خوراک کا خیال رکھا تھا اسے اپنے رویئے سے احساس دلایا تھا کہ وہ اس کے لیے سب سے اہم ہے۔ سنی کی وجہ سے نہیں اپنی ذات کی وجہ سے۔ اس مقدس رشتے کی وجہ سے جو ان میں قائم ہو چکا ہے اور ہمیشہ محبت خلوص اور مہر و وفا کی بنیادوں پر قائم رہے گا۔ اس کے جذبے ہمیشہ سچے موتیوں کی طرح کھرے رہیں گے اور وہ اپنے حال میں کبھی ماضی کی ملاوٹ نہیں ہونے دے گا۔ اور زنیرہ کو بھی اس کا احساس ہونے لگا تھا۔

بے شک ماضی اتنی آسانی سے نہیں بھولتا یا شاید کبھی نہیں بھولتا اور وہ خود اس کی زندہ مثال تھی۔ لیکن حال میں زندہ رہنے کے لیے ماضی سے رابطے کاٹنے پڑتے ہیں۔ حالات سے کمپرومائز کرنا پڑتا ہے۔ زندگی گزارنے کے لیے کسی ساتھی کسی سہارے کی ضرورت ہوتی ہے جس سے آپ بات کر کے دل کا بوجھ ہلکا کر سکیں۔ باسط اس کا حال ہے اور اسے اب اپنے حال سے کمپرومائز کرنا ہے۔

صبح باسط اس کا مکمل چیک اپ کر کے اس سے مطمئن ہونے کے بعد ہاسپٹل روانہ ہوا' جاتے جاتے ڈھیر ساری ہدایات دے گیا۔ جس میں وقت پر دوا کھانے اور آرام کرنے کی ہدایت شامل تھی۔

"بیگم صاحبہ! ڈاکٹر صاحب کا فون ہے۔"

وہ سو کر اٹھی تو زرینہ کارڈلیس ہاتھ میں پکڑے

اندر داخل ہوئی۔ زنیرہ نے اپنے کمرے میں کنکشن نہیں لگوایا تھا۔ حالانکہ باسط نے کہا بھی تھا لیکن اس نے سہولت سے انکار کر دیا کہ وہ کوئی فون سننا نہیں چاہتی تھی۔ لیکن جب سے وہ بیمار ہوئی تھی۔ باسط ہاسپٹل سے اکثر اسے فون کرتا رہتا تھا۔ اس لیے وہ اب سوچ رہی تھی کہ یہاں کنکشن لگوا لے۔ بعض دفعہ سنی ساتھ سویا ہوتا تھا تو اس کے اٹھنے پر جاگ کر رونا شروع کر دیتا تھا۔

"ہیلو!"

"سو رہی تھیں؟۔"

"جی بس۔ ابھی سو کر اٹھی ہوں۔"

"گڈ یعنی میری ہدایات پر مکمل کیا ہے۔"

"آپ کیا کر رہے ہیں؟۔"

"آپریشن کر کے فارغ ہوا ہوں۔ بہت تھکن ہو رہی ہے پھر تمہاری طرف سے بھی فکر مند تھا۔ سوچا تم سے بات کر کے تمہاری خیریت معلوم کروں اور تھکن بھی اتار لوں۔"

"اچھا!" وہ فقط یہی کہہ سکی۔

"ہوں تو تم سو رہی تھیں۔ کوئی خواب بھی دیکھا کہ نہیں؟۔"

"نہیں۔ خواب دیکھنا چھوڑ چکی ہوں۔" وہ افسردہ ہو گئی۔

"لیکن میں تو اب بھی خواب دیکھتا ہوں۔ حقیقت پر مبنی سچے خواب۔ جس میں، میں تم اور سنی ہوتے ہیں۔"

"اوہ! سنی جاگ گیا ہے۔ اچھا آپ کے آنے پر بات ہو گی۔ اللہ حافظ۔" اس کے پاس باسط کی باتوں کا کوئی جواب نہ تھا۔ اس لیے بہانے سے فون بند کر دیا کہ ابھی زندگی کا یہ موڑ بہت دور تھا۔

فون رکھا ہی تھا کہ پھر بجنے لگا۔

"لگتا ہے باسط شرارت کے موڈ میں ہے۔" اس نے تین چار بیلوں کے بعد اٹینڈ کیا۔

"ہیلو!"

"زنیرہ! میری بچی! کیا حال ہے؟۔" دوسری طرف سے اماں کی آواز سن کر وہ بھونچکا رہ گئی۔

"اماں! آپ؟۔"

"تمہاری طبیعت کیسی ہے؟۔"

"بخار اتر گیا کیا؟۔"

"ہاں"

"ضرور بارش میں بھیگی ہو گی۔"

"آپ کو کس نے بتایا۔" اماں کے سوالوں پر وہ پوچھے بغیر نہ رہ سکی۔

"صبح فون کیا تھا۔ پتا چلا کہ تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ سو رہی ہو۔"

"آپ کو فون کرنے کی ضرورت کیوں پڑ گئی تھی؟۔" وہ کٹھور پن سے بولی۔

"کئی دن سے دل بہت گھبرا رہا تھا۔ کسی صورت چین نہیں پڑ رہا تھا اور جب فون کیا تو پتا چلا کہ ہفتے بھر سے بیمار ہو۔"

اماں کی آواز بھرا گئی اور زلزلے تو اس کے اندر بھی برپا ہو گئے تھے۔ کچھ بھی تھا وہ اس کی ماں تھیں۔ انہوں نے اسے جنم دیا تھا۔ اس لیے تو اس کی بیماری پر ان کا دل بے تاب و بے قرار ہو گیا تھا لیکن یہ دل اس وقت کہاں تھا جب اس پر تہمت لگائی گئی تھی اور جب اسے گناہگار قرار دے کر اس کی قسمت کا فیصلہ کیا جا رہا تھا۔ اس نے فون بند کر کے انگیج کا بٹن دبا دیا۔

✡ ✡ ✡ ✡

"کل آپ سر شام ہی سو گئی تھیں؟۔" صبح ناشتے کی ٹیبل پر باسط نے کہا تو وہ چونک کر اسے دیکھنے لگی۔

"ہاں۔ کل سنی سویا تو میری بھی آنکھ لگ گئی پھر صبح ہی کھلی۔" اس نے بتانا مناسب نہ سمجھا کہ کل اماں کے فون کے بعد اس کا کسی کو دیکھنے یا بات کرنے کو دل نہیں چاہا۔

"رات بابا کا فون آیا تھا۔"

"اچھا۔ خیریت سے ہیں۔ میرا سلام دینا تھا۔"

"میں نے بتایا کہ تمہاری طبیعت خراب رہی ہے تو پریشان ہو گئے کہہ رہے تھے۔ کل میں خانہ کعبہ اور روضہ رسول پر حاضری دے کر اپنی بیٹی کی صحت کے لیے خصوصی دعا مانگوں گا۔" اور زنیرہ کا دل بھر آیا ایک ابا تھے جنہوں نے اس سے محبت و شفقت کا سایہ واپس

لے کر اسے حالات کی بھٹی میں دھکیل دیا تھا۔

"بابا ہمارے لیے عمرے کے ٹکٹ بھجوا رہے ہیں۔ ایک دو دن تک پہنچ جائیں گے۔ تم تیاری کر رکھو۔ میں آج دوست سے کہہ کر پاسپورٹ وغیرہ کی ضروری کارروائی کے لیے کہہ دیتا ہوں۔"

"تم نے برا تو نہیں مانا۔ میں نے تم سے پوچھے بغیر بابا کو ہاں کر دی؟۔" اسے خاموش دیکھ کر باسط نے پوچھا۔

"برا ماننے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ میں سوچ رہی ہوں۔ اللہ میاں کو میری کون سی بات پسند آئی ہے کہ مجھے اپنے گھر کی سعادت بخش رہا ہے۔"

اتنے دنوں بعد اتنی بڑی خوشی' اس نے اپنے آنسوؤں کو چھپانے کی ضرورت نہیں سمجھی۔

♥ ♡ ♡ ♥

وہ سنی کو سیریلیک کھلانے میں منہمک تھی جب کسی نے اندر داخل ہوتے ہوئے السلام علیکم کہا تو اسے اپنی سماعت و بصارت پر دھوکا ہونے لگا۔ لقمان چہرے پر محبت کے دیپ جلائے کچھ جھینپا جھینپا سا کشش و پیچ کی کیفیت میں کھڑا اسے دیکھ رہا تھا۔ اور حیران تو وہ بھی رہ گئی تھی۔ کافی دیر تک کچھ بولنے کا خیال نہ آیا پھر لقمان آگے بڑھا اور اس کا ہاتھ اس کے سر پر ٹک گیا تو جیسے وہ کسی خواب سے چونکی۔ حیرت' غصے' محبت اور ناراضگی کے جذبات نے اس پر یکبارگی حملہ کیا پھر ان پر غصہ غالب آنے لگا۔ ابھی زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا اس واقعے کو۔ وقت کا مرہم ابھی زخموں کو بھرنے میں کامیاب نہیں ہوا تھا۔

اور یہی لقمان' اس نے اس سے کچھ پوچھنے کی ضرورت نہیں سمجھی تھی اور تائی امی کی ہر بات پر آنکھیں بند کر کے یقین کر لیا تھا حالانکہ اس کا خیال تھا کہ لقمان اسے سمجھتا ہے' وہ ضرور اس کی حمایت کرے گا۔ اس کی بے گناہی کا اعتبار کرے گا' چاہے سب اسے غلط سمجھ لیں۔ مگر وہ کچھ نہیں بولا تھا۔ اور اسے مصلوب کرنے میں سب کے ساتھ شامل ہو گیا تھا۔

"تم یہاں کیسے آئے؟۔" اس کی بے رخی پر ایک لمحہ کو لقمان کا چہرہ تاریک ہوا۔

"ابھی تھوڑی دیر پہلے کالج ٹرپ کے ساتھ یہاں پہنچا ہوں۔ رہا نہیں گیا' بیگ دوست کے حوالے کیا اور تم سے ملنے چلا آیا۔ تمہیں دیکھنے کو بہت دل اداس ہو رہا تھا۔"

"بہت شکریہ۔" بے رخی کے ساتھ طنز بھی شامل ہو گیا۔

"یہ وہ زنیو تو نہیں ہے۔" لقمان نے افسوس سے سوچا۔

"تم ٹھیک ہو زنیو!"

"مجھے کیا ہونا ہے' بہت ڈھیٹ اور سخت جان ہوں۔ آپ کیا سوچ کے آئے تھے کہ میں یہاں آپ لوگوں کے بغیر روسک رہی ہوں گی۔ تڑپ رہی ہوں گی۔ آپ جیسے لوگوں سے ملنے کے لیے۔ خیام خالی ہے آپ کی۔ میں اپنی زندگی میں مگن ہوں۔"

"آئی ایم سوری۔ میں وقتی طور پر روایتی جذباتیت کا شکار ہو گیا تھا۔" لقمان کا احساس ندامت شدید ہو گیا۔

"اب کیا فائدہ؟ کیا سوری کہنے سے وقت کا دھارا پیچھے مڑ جائے گا؟۔"

"لیکن ازالہ تو کیا جا سکتا ہے۔"

"اونہہ! ازالہ۔" وہ تمسخر سے ہنسی۔ "کیا آپ نے کوئی ایسا جادو سیکھ لیا ہے کہ میں آنکھیں بند کر کے کھولوں گی تو سب کچھ پہلے جیسا ہو گا۔ کیا آپ مجھے میرا ماضی لوٹا دیں گے؟۔"

"زنیو! میں بہت شرمندہ ہوں۔ مجھے معاف کر دو۔ اماں اور حنا تمہیں بہت یاد کرتی ہیں۔ اماں روتی رہتی ہیں تمہارے لیے۔"

"اس گھر کی دہلیز سے باہر قدم رکھتے ہی تم سب میرے لیے اور میں تم لوگوں کے لیے خود کو مار آئی تھی۔ بلکہ مر تو میں اسی وقت گئی تھی جب تم لوگوں نے مجھ پر الزام دھرا تھا۔"

"زنیو پلیز۔" لقمان کی آنکھیں بھیگنے لگیں۔ "تم کتنی بے حس اور ظالم ہو گئی ہو۔ کیا تمہیں اندازہ ہے؟۔"

"ہاں جانتی ہوں اور یہ سب آپ لوگوں کی مہربانی کا نتیجہ ہے۔"

"تم بہت بدل گئی ہو۔"

"زخموں کو ناسور بننے سے روکنے کے لیے انہیں گرم سلاخوں سے داغنا پڑتا ہے۔"

"تو کیا تم ہمیں معاف نہیں کرو گی؟۔"

"یار اصغی اور معافی کیسی' جب میرا تم لوگوں سے کوئی تعلق نہیں۔ پلیز' آئندہ میری زندگی میں ماضی کا کوئی پتھر پھینکنے یہاں مت آنا۔" لقمان کے آنسو بہتے دیکھ کر بھی اس کے انداز میں کوئی فرق نہ آیا۔

"اونہہ!" اس محبت نے اس وقت جوش کیوں نہ مارا۔ اس وقت کیوں یہ اندھی اور بہری ہو گئی تھی۔

"چلتا ہوں۔ سدا خوش رہو' آباد رہو۔" لقمان جانے کو مڑا۔ پھر دروازے کے پاس رک کر اسے دیکھا ایک مبہم سی امید کے تحت کہ شاید وہ اسے پکارے گی مگر وہ یونہی بے حس بن کر بیٹھی تھی۔

"خدا حافظ!" وہ آنسو پونچھتا باہر نکل گیا اور زنیرہ کا دل چاہا کہ وہ بھاگ کر اسے روک لے اور گلے لگا کر خوب روئے اتنا کہ سارے غم سارے شکوے اور رنجشیں مٹ جائیں مگر چاہنے کے باوجود اپنی جگہ سے نہ ہل سکی۔

مجھے مناؤں کہ اپنی انا کی بات سنوں
الجھ رہا ہے میرے فیصلوں کا ریشم پھر

سنی کو بھینچ کر وہ بے آواز آنسو بہاتی رہی۔

♥ ♡ ♡ ♥

آج ڈھائی بجے اس کی فلائٹ تھی۔ اتنی مقدس جگہ پر جانے کا تصور ہی اس پر عجیب سرشاری اور عجز و نیاز کی کیفیت طاری کیے ہوئے تھا۔ وہ خوش بھی تھی اور اداس بھی۔ آج اسے سب بے طرح یاد آ رہے تھے۔ آج اس کا برتھ ڈے تھا۔ باسط نے اسے وش کیا تھا مگر اماں' ابا اور لقمان' حنا کی یاد نے اسے رلا رلا دیا۔ کتنی رونق ہوتی تھی اس دن' اماں' ابا اس کا ماتھا چومتے تھے۔ ان دونوں کی کوشش یہی ہوتی کہ پہلے اسے وش کیا جائے اور اسی مقابلے میں وہ اس دن صبح ہی صبح اٹھ کر اماں' ابا اس کے کمرے کا رخ کرتے۔ شام کو اس کی دوستیں جمع ہوتیں خوب ہلہ گلہ کیا جاتا اور اس دن ابا اور نعمان بھائی کو اس کے اونچی آواز میں ڈیک لگانے پر بھی کوئی اعتراض نہ ہوتا۔

اس نے باسط کے دیے ہوئے گفٹ پیک کو کھولے بغیر سامان میں رکھ دیا۔

"وہاں جا کر دیکھ لوں گی۔" اس نے سوچا مگر باسط تھوڑی دیر بعد آن پہنچا۔

"آپ نے گفٹ دیکھا؟۔"

"نہیں' وقت نہیں ملا۔" اس نے بہانہ بنایا۔

"تو جلدی سے کھولیں' میں آتا ہوں۔"

اس نے گفٹ اٹھا کر کھولا۔

اندر بہت خوبصورت گرین کلر کے سوٹ پر کورے کا دیدہ زیب کام ہوا تھا۔ ساتھ میں کارڈ تھا جس پر لکھا تھا۔

"اگر آپ اسے پہنیں گی تو مجھے اور بابا دونوں کو بہت خوشی ہوگی۔"

وہ سوٹ اٹھا کر باتھ روم میں گھس گئی وہ جب اس کا اتنا خیال رکھ رہا تھا تو اس کا بھی فرض بنتا تھا کہ وہ اس کے جذبات کا پاس کرے۔

بڑے عرصے بعد اس نے کوئی شوخ لباس پہنا تھا ورنہ اس کی پسند بہت سادہ اور لائٹ کلرڈ ڈریسز کی ہو گئی تھی۔

"بہت اچھی لگ رہی ہو؟۔" باسط نے دیکھا تو تعریف کی۔ اس نے کوئی جواب نہ دیا۔

"پتا نہیں آج اسے کچھ اچھا نہیں لگ رہا تھا' دل کو کسی پل قرار نہیں تھا۔ باسط کا موبائل بجنے لگا۔

"ہیلو!۔"

"جی ہاں' وعلیکم السلام۔"

"کسی کاشف کا فون ہے۔" باسط نے فون اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ اور اس نے بغیر کسی ہچکچاہٹ کے فون پکڑ لیا۔

"جی السلام علیکم۔ کیسے ہیں آپ؟ جی میں بھی ٹھیک ہوں بس سب کچھ اچانک ہو گیا۔ جی بس اسی وجہ سے کون؟ آئی کانٹ بلیو اٹ پھر۔ اچھا آپ کو کس نے بتایا؟ آپ انہیں کہیں کہ اس کی کوئی ضرورت

نہیں' میرا ہر تعلق ختم ہو چکا ہے۔ اب کیا فائدہ کاشف صاحب! میں آپ کی بہت مشکور ہوں۔ میں تو بھول ہی چکی تھی اس بات کو' میرا نہیں خیال تھا کہ میرے بعد بھی آپ کھوج لگانے کی کوشش کریں گے۔ کبھی اسلام آباد آنا ہو تو ہمارے ہاں ضرور آیئے گا' باسط آپ سے مل کر خوش ہوں گے۔ ارے نہیں۔" وہ ہنسی۔

"He is a very nice person"

"او کے اللہ حافظ۔" اس نے فون بند کر کے باسط کو پکڑا دیا۔ جو حیران سا کھڑا اسے دیکھ رہا تھا۔

"تم ہنستی اچھی لگتی ہو۔" اسے بہت پہلے پڑھی کسی نظم کا مصرعہ یاد آیا اس نے اسے پہلی بار ہنستے نہیں دیکھا تھا لیکن اب شاید رشتے اور انداز نظر کا فرق تھا۔ وہ اس کی سوچوں سے بے نیاز کہہ رہی تھی۔

"جانتے ہیں مجھے رسوائی کے اندھیرے غار میں دھکیلنے والے کون تھے؟۔"

"کون؟۔"

"عون' تائی امی اور نوین بھابھی۔"

"کیا؟۔" باسط حیران رہ گیا۔

"عون نے رشتے سے انکار کو اپنی بے عزتی سمجھا۔ شاید کوئی اموشنل فیلنگز بھی رکھتا تھا۔ اس کا خیال ہو گا کہ اس طرح کرنے پر میں بدنام ہو جاؤں گی اور جب وہ احسان جتا کر رشتہ مانگیں گے تو گھر والے انکار نہیں کریں گے۔ بعد میں تائی امی اور نوین بھی شامل ہو گئیں۔ کاشف بتا رہا تھا کہ آبزرویشن سے تو کام نہیں بن سکا کوئی بتانے والا نہیں تھا کہ اب اس کا فون آتا ہے یا نہیں اور آتا ہے تو کس وقت۔ اس نے پہلے اسی بندے جیسا ڈرامہ کیا اور ساتھ ہی ٹیپ لگا دی۔ شروع میں اسے نوین بھابھی کی اپنی امی کے ساتھ باتوں پر شک گزرا تو انہوں نے تائی امی کے فون پر بھی ٹیپ لگا دی اور اس بارے میں جو گفتگو ہوئی تھوڑی تھوڑی کر کے ریکارڈ کرتے رہے جب مکمل ثبوت جمع ہو گئے تو رات انہوں نے ابا اور نعمان بھائی کو وہ ثبوت پیش کر دیے۔"

"پھر؟۔" باسط نے حیرت سے سنتے ہوئے پوچھا۔

"کاشف کو حنا نے خبر دی ہے۔ نعمان بھائی نے نوین بھابھی کو طلاق کی وارننگ دے کر گھر سے نکال دیا ہے اور شرط رکھی ہے کہ وہ اور ان کے گھر والے میرے پاؤں پکڑ کر معافی مانگیں اور منائیں تو وہ انہیں اپنے گھر رکھنے پر آمادہ ہوں گے۔ میں نے کاشف سے کہا کہ ان سے کہنا میرا ان لوگوں سے کوئی تعلق نہیں ہے' اب اس سب کا کیا فائدہ۔"

وہ بولتے بولتے خاموش ہو گئی۔ پہلی بار اس نے باسط سے اتنی زیادہ بات کی تھی ورنہ وہی بول لیتا تھا۔

آج وہ سب کی نظروں میں سرخرو ہو کر بہت ہلکی پھلکی ہو گئی تھی مگر دل کی اداسی کم ہونے کے بجائے بڑھ گئی تھی۔ کسی کا کیا گیا دنیا تو اس کی تہہ و بالا ہوئی۔ اسے مجرم ٹھہرا کر اب بری کیا جا رہا تھا تو اس سارے عمل میں کسی کی ذات کا کچھ نہیں بگڑا تھا۔ صرف وہی زلزلوں کی زد میں آئی تھی۔

باسط خاموشی سے کھڑا اس کے چہرے کے بدلتے رنگوں کو دیکھ رہا تھا۔ وہ اس کے احساسات سمجھتا تھا مگر اس کی دلجوئی کرنے اور حوصلہ دینے کے سوا کچھ نہیں کر سکتا تھا۔

"آپ کوئی تبصرہ نہیں کریں گے؟۔" اسے اپنی طرف دیکھتا پا کر زنیرہ نے کہا۔

"سزا دینے کے بجائے معاف کر دینا بہترین عمل ہے۔"

"میں کسی کو سزا دے رہی ہوں نہ بدلہ لے رہی ہوں' میں جیسے بھی سہی اب اس گھر میں خود کو ایڈجسٹ کر چکی ہوں۔ ٹھہرے ہوئے پانی میں ہلچل مچانے سے فائدہ۔ میں اپنے اندر زنیرہ سبحان کو مار کر زنیرہ باسط بنی ہوں۔ اسے اب مرا ہی رہنے دیں۔ اسی میں سب کا فائدہ ہے۔ باقی وہ لوگ یا نعمان بھائی کیا کرتے ہیں یہ ان کا گھریلو معاملہ ہے ہمارا اس سے کوئی تعلق نہیں۔"

وہ آج بھی پہلے دن کی طرح اپنی بات پر جمی ہوئی تھی۔ اور باسط کے پاس اس کا ساتھ دینے کے سوا کوئی راستہ نہ تھا۔ وہ اسے یہ بھی نہیں بتا پاتا تھا کہ وہ لوگ روز فون پر اس کی خیریت پوچھتے ہیں وہ بہت ضدی تھی اگر یہ گھر یا اسے چھوڑ دیتی تو بے اماں ہو جاتی۔

♥ ♡ ♡ ♥

سامان گاڑی میں رکھا جاچکا تھا۔ باسط' سنی کو اٹھائے اس کا منتظر کھڑا تھا۔

"کیا تیاری رہ گئی ہے بھئی؟۔"

"بس چلیں۔" وہ سنی کے فیڈر اور دیگر چھوٹی چھوٹی ضروریات کا بیگ اٹھاتے ہوئے بولی۔

"لائیں۔ مجھے پکڑا دیں۔" باسط نے بیگ اس کے ہاتھ سے لے لیا۔

"ارے آپ تو فل ہو گئے ہیں۔" وہ اس کے ایک طرف سنی اور دوسرے ہاتھ میں بیگ دیکھ کر مسکرائی۔

"کسی ایک کو مجھے پکڑا دیں۔"

"ارے نہیں۔ آپ قدم ساتھ ملائیے۔ مجھے اچھا لگ رہا ہے۔" باسط معنی خیزی سے بولا۔ وہ خاموشی سے اس کے ساتھ چلنے لگی۔

سٹنگ روم میں رکھا باسط کا موبائل بج رہا تھا۔

"زینی! اٹینڈ کریں پلیز۔"

"ہیلو!"

"کون؟۔" دوسری طرف سے ابا نے پوچھا۔

"جی۔ کس سے بات کرنی ہے۔" وہ اجنبی بن گئی۔

"زینو بیٹی!" ابا کی آواز بھرا گئی۔

زینو کے دل کو کچھ ہونے لگا۔

"کیسی ہو بیٹا؟۔" ان کی آواز سے لگ رہا تھا کہ وہ رو رہے ہیں۔

"جی رانگ نمبر۔" اس نے موبائل آف کر دیا۔

کل جب اس کے آنسوؤں نے کسی کے دل پر اثر نہیں کیا تھا تو آج وہ کیوں متاثر ہوتی۔

گاڑی ایئرپورٹ کی طرف دوڑ رہی تھی۔ وہ الجھی الجھی بظاہر باہر کی طرف دیکھ رہی تھی مگر نظر کسی چیز پر مرتکز نہیں تھی۔

پہلے اماں کا فون آیا اور اس نے ان کی آہ و زاری کے باوجود فون بند کر دیا تھا۔ پھر لقمان آیا اور اس کی بے رخی اور برے رویئے کے باعث روتا ہوا چلا گیا حالانکہ اس وقت تک انہیں کاشف سے حقائق کا علم نہیں ہوا تھا۔ انہیں تو شاید یہ بھی علم نہیں تھا کہ کوئی اسے کو بے گناہ ثابت کرنے کی جستجو میں لگا ہوا ہے۔

یہ نہیں تھا کہ انہیں پریشان کر کے ان کا دل دکھا کر وہ مطمئن ہو گئی تھی بلکہ اس کے اندر کی بے کلی اور اداسی مزید بڑھ گئی تھی۔ کاشف کے فون نے جہاں اس کے سر سے ناکردہ گناہ کا بوجھ اتارا تھا' وہیں اس کے دل پر بھاری بوجھ آن پڑا تھا۔ نعمان بھائی نے اور بھابھی کو گھر سے نکال دیا تھا یعنی وہ اپنا گھر تباہ کر کے اس کے ساتھ کی گئی زیادتی کا کفارہ ادا کرنا چاہتے تھے۔ اور اب گھر سے نکلتے ہوئے ابا کا اسے فون پر پکارنا اور رونا۔

گیند اس کے کورٹ میں تھی۔

اس کے اختیار میں تھا کہ معاف کر کے سب کے دل جیت لے یا اکیلے اپنی جیت کا جشن منائے مگر اس کے پاس اس جشن پر چراغاں کرنے کے لیے خون جگر کے سوا کچھ نہ تھا۔

"کیا میں اتنے سارے لوگوں کا دل دکھا کر خوش اور مطمئن رہ سکوں گی؟۔"

"بدلہ لینے کے بجائے معاف کر دینا بہترین عمل ہے" یہی اس کے خدا کا حکم تھا اور یہی فرمان رسول ہے۔

جب وہ اس کے اتنے پیارے بندوں کے دل دکھا کر اس کے حکم سے انحراف کر رہی تھی۔ سنت رسول کی اتباع نہیں کر رہی تھی تو کیا۔

"میں اتنی نافرمان ہو کر خدا کے گھر میں داخل ہونے اور روضہ رسول پر حاضری دینے کے قابل ہوں۔؟"

اس نے اپنا محاسبہ کیا۔

"نہیں۔" اس کا رواں رواں بولنے لگا۔

اسلام میں پہلے حقوق العباد اور پھر حقوق اللہ ادا کرنے کا حکم ہے۔ خدا اپنے حقوق تو معاف کر دے گا لیکن حقوق العباد کی معافی نہیں ہے۔ ماں باپ اور بہن بھائیوں جیسے پیارے رشتوں کا دل دکھا کر وہ کس منہ سے اللہ کے گھر میں داخل ہوگی۔

"باسط! ڈرائیور سے کہیں۔ گاڑی لاہور کی طرف موڑ لے۔ میں اللہ کے گھر سے پہلے اپنے والدین کے گھر جانا چاہتی ہوں۔"

اور باسط نے فوراً" اس کی ہدایت پر عمل کیا کہ واپسی کا اس سے بہتر لمحہ شاید پھر نہ آتا۔